Spot CMYK#Waheed

ماہنامہ

التبلیغ

راولپنڈی

بشرفِ دعا

حضرت نواب محمد عشرت علی خان قیصر صاحب رحمہ اللہ

وحضرت مولانا ڈاکٹر تنویر احمد خان صاحب رحمہ اللہ

مدیر
مفتی محمد رضوان

ناظم
مولانا عبدالسلام

مجلسِ مشاورت

مفتی محمد یونس، مفتی محمد امجد، حکیم محمد فیضان، غفار الحق

فی شمارہ............25 روپے

سالانہ...........300 روپے

پبلشرز

محمد رضوان

سرحد پرنٹنگ پریس، راولپنڈی

خط وکتابت کا پتہ

ماہنامہ التبلیغ پوسٹ بکس 959

راولپنڈی پوسٹ کوڈ 46000 پاکستان

قانونی مشیر

الحاج غلام علی فاروق

(ایڈووکیٹ ہائی کورٹ)

مستقل رکنیت کے لئے اپنے مکمل ڈاک کے پتہ کے ساتھ سالانہ فیس صرف 300 روپے ارسال فرما کر گھر بیٹھے ہر ماہ ماہنامہ "التبلیغ" حاصل کیجئے

ڈاک کا پتہ تبدیل ہو جانے یا ماہنامہ موصول نہ ہونے کی صورت میں رکنیت نمبر کا حوالہ دے کر فوری اطلاع کریں

اس دائرہ میں سرخ نشان آپ کی رکنیت ختم ہونے کی علامت ہے، آئندہ شمارہ رکنیت فیس موصول ہونے پر ارسال کیا جاسکے گا

برائے رابطہ...... ادارہ غفران ٹرسٹ چاہ سلطان گلی نمبر 17

عقب پٹرول پمپ وچمڑا گودام راولپنڈی صوبہ پنجاب پاکستان

فون: 051-5507530-5507270 فیکس: 051-5780728

www.idaraghufran.org

Email: idaraghufran@yahoo.com

ترتیب وتحریر

صفحہ

اداریہ ....مرکزی رویتِ ہلال کمیٹی کے فیصلہ کے بارے میں چندوضاحتیں........مفتی محمد رضوان ۳

درسِ قرآن (سورہ بقرہ قسط۲۶، آیت نمبر۳۵، ۳۶)... حضرت آدم وحوّا کا جنت میں قیام وطعام..... // // ۱۱

درسِ حدیث ....پہلی صف میں نماز پڑھنے کی فضیلت........مولانا محمد ناصر ۱۴

مقالات ومضامین: تزکیۂ نفس، اصلاحِ معاشرہ واصلاحِ معاملہ

ماہِ ذیقعدہ: تیسری نصف صدی کی اجمالی تاریخ کے آئینے میں........مولوی طارق محمود ۲۱

حضرت نواب محمد عشرت علی خان قیصر صاحب مدظلہم (قسط۸)........ترتیب: مفتی محمد رضوان ۲۶

عقل مندوں کا حج........مفتی محمد رضوان ۳۰

تقلید کے مختلف درجات........عبدالواحد قیصرانی ۳۷

صحابیٔ رسول حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ........انیس احمد حنیف ۴۱

معیشت اور تقسیمِ دولت کا فطری اسلامی نظام (قسط۱)........مفتی محمد امجد حسین ۴۷

ہدیہ وتحفہ لینے دینے کے آداب (دوسری وآخری قسط)........مفتی محمد رضوان ۵۱

مکتوباتِ مسیح الامّت (بنام محمد رضوان) (قسط۷)........ترتیب وحواشی: مفتی محمد رضوان ۵۴

مولوی کے بعد مولانا اور اب ڈاکٹر کی باری ہے........ // // ۵۸

علم کے مینار........ہر چہ گیرد علّتی ...... (قسط۱۲)........مولانا محمد امجد حسین ۶۱

تذکرۂ اولیاء:.. تصوف کے مشہور سلسلوں کا تاریخی پسِ منظر (قسط۸)......مولانا محمد امجد حسین ۶۸

پیارے بچو! ....ہمارے ماں باپ کون اور کیا ہیں؟........مفتی ابوریحان ۷۱

بزمِ خواتین ....وقت کی قدر کیجئے........مفتی ابوشعیب ۷۵

آپ کے دینی مسائل کا حل........حج اور عیدُ الاضحیٰ کی قربانی میں فرق........ادارہ ۸۰

کیاآپ جانتے ھیں؟........سوالات وجوابات........ترتیب: مفتی محمد یونس ۸۲

عبرت کدہ ....حضرت ابراہیم علیہ السلام (قسط۴)........مولوی طارق محمود ۸۸

طب وصحت.... ڈینگی بخار (Dengue Heamorrhagic Fever).....حکیم محمد فیضان ۹۱

اخبارِ ادارہ ....ادارہ کے شب وروز........مولانا محمد امجد حسین ۹۵

اخبارِ عالم ....قومی وبین الاقوامی چیدہ چیدہ خبریں........ابرار حسین ستی ۹۷

Seeking Religious Knowledge Is Obligatory........ // // ۱۰۰

اداریہ **بسم اللہ الرحمٰن الرحیم** مفتی محمد رضوان

مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی کے فیصلہ کے بارے میں چند وضاحتیں

رمضانُ المبارک ۱۴۲۷ھ اوراس کے بعد عید الفطر ۱۴۲۷ھ کے چاند کے موقع پر پاکستانی قوم غیر معمولی انتشار وافتراق اور خلفشار سے دوچار ہوئی، خاص طور پر عید الفطر کے چاند کے موقع پر صورتِ حال زیادہ پیچیدہ اور سنگین ہوگئی اور پاکستان میں عام روایت سے ہٹ کر دو کے بجائے تین عیدیں ہوئیں، بعض علاقوں میں مسلسل تین دن نمازِ عید ادا کی گئی، صوبہ سرحد کے علاوہ پنجاب وغیرہ جیسے صوبے میں بھی کئی علماء نے اپنی مساجد میں رؤیتِ ہلال کمیٹی کے فیصلہ سے ایک یا دو دن پہلے ہی رمضان وشوال کے آغاز کا فیصلہ صادر فرمادیا۔

اس صورت حال کے تناظر میں پاکستان کے موجودہ وزیر اعظم شوکت عزیز نے وزارتِ مذہبی اُمور کو ہدایت کی ہے کہ وہ چاند دیکھنے کے لئے جلد از جلد پائیدار میکنزم تیار کرے، وفاقی وزیر مذہبی اُمور محمد اعجازُ الحق نے کہا ہے کہ جلد ہی بین الصوبائی کمیٹیوں کا اجلاس طلب کیا جائے گا، جن کی سفارشات وفاقی کابینہ کو بھجوائی جائیں گی اور سفارشات کا جائزہ لینے کے بعد منظوری دی جائے گی، اعجاز الحق نے صوبہ سرحد میں تین عیدیں منانے پر افسوس کا اظہار کیا، انہوں نے کہا کہ ملک میں عید یک جہتی اور خوشی کی علامت ہے، اسے اکٹھے منانا چاہئے، اور ملک میں ایک ہی دن میں عید نہ منانے سے بیرونی ممالک میں ایک غلط تأثر جاتا ہے کہ مسلمان ایک دن عید نہیں منا سکتے، انہوں نے کہا کہ اس بات کا بھی فیصلہ متوقع ہے کہ پاکستان میں آئندہ سال سعودی عرب اور دیگر اسلامی ممالک کے ساتھ عید منانی چاہئے

(ملاحظہ ہو: روزنامہ اسلام، راولپنڈی، پیر، چھ شوال ۱۴۲۷ھ، 30/ اکتوبر 2006 صفحہ نمبر 1و6)

ان سنگین حالات میں اندیشہ ہے کہ کوئی بڑی تبدیلی فتنہ کی شکل میں پیدا نہ ہو جائے اور شرعی اُصولوں کی رہی سہی پاس داری بھی ختم نہ ہو جائے۔

ایسی انتشار واختلاف کی فضاء میں طرح طرح کی چہ میگوئیاں جاری ہیں۔

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ مولوی حضرات کبھی بھی اتفاق نہیں کر سکتے، اس لئے چاند کے اعلان، اور رؤیتِ

ہلال کی شہادت حاصل کرنے کا اختیار علماء کو نہیں ہونا چاہئے اور اسی لئے ہلال کمیٹی میں جو علماء حضرات ہیں ان کو برطرف کر دینا چاہئے۔

حالانکہ مرکزی رویت ہلال کمیٹی کے ارکان مختلف مسلکوں سے تعلق رکھنے کے باوجود عموماً اتفاق رائے سے چاند کا فیصلہ فرماتے ہیں۔

اور کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ رؤیتِ ہلال کمیٹی کو بالکل ختم کر دینا چاہئے اور اس کے بجائے حکومت یا عدالت کو خود چاند اور آغازِ ماہ کا اعلان کرنا چاہئے، جیسا کہ سعودیہ میں ہوتا ہے۔

جبکہ قوم کو انتشار سے بچانے کا حل اس کمیٹی کو ختم یا برطرف کرنا نہیں ہے بلکہ اس کمیٹی کے فیصلے کو مؤثر اور اہم بنانا اور اس کمیٹی کے بالمقابل دیگر عناصر کی حوصلہ شکنی کرنا ہے۔

جبکہ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ رؤیتِ ہلال کمیٹی کو شہادتیں حاصل کرنے کا سلسلہ ختم کر دینا چاہئے اس کمیٹی کے پاس جب چاند دیکھنے کے مادی وسائل موجود ہیں، تو خود ہی چاند دیکھ کر فیصلہ کرنا چاہئے۔

مگر ہمارے خیال میں چونکہ کمیٹی کا موجودہ طرزِ عمل شرعی اصولوں کے مطابق ہے اس لئے اس کو شہادتیں حاصل کرنے کا طریقہ ختم کرنے کی تجویز دینا درست نہیں لگتا۔

کچھ حضرات اختلافِ مطالع کی بحث میں لگ کر اس سے مسئلہ ھذا کو سُلجھانے میں لگے ہوئے ہیں۔

لیکن اختلافِ مطالع کی بحث میں لگ کر اس مسئلے کو حل کرنا بھی زیادہ مؤثر نظر نہیں آتا۔

کچھ لوگوں کا کہنا یہ بھی ہے کہ سعودی عرب پورے مسلمانوں کا مرکز ہے، پوری دنیا کے مسلمانوں کو اس کے ساتھ رمضان اور اپنے تہوار منانے چاہئیں۔

مگر علماء و ماہرینِ فن کی طرف سے سعودی عرب میں مروجہ فیصلہ ہلال کے طریقۂ کار کے شرعی وفنی اُصولوں کے خلاف ہونے کی نشاندہی کی جاتی رہی ہے، [1] اس لیے اہلِ پاکستان کو سعودی عرب میں مروجہ نظام کی اتباع کی رائے نہیں دی جاسکتی (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، احسن الفتاویٰ جلد۴ صفحہ ۴۲۶ تا صفحہ ۴۲۸، ماہنامہ ''الصیانۃ'' لاہور، رمضان المبارک ۱۴۲۷ھ، اکتوبر 2006، صفحہ ۵، ہفت روزہ ضربِ مؤمن، ۱۸ تا ۲۴ شوال ۱۴۲۷ھ، مطابق ۱۰ تا ۱۶ نومبر ۲۰۰۶ء رنگین صفحہ)

کچھ لوگ ہمیشہ سے مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی کو حکومت کی منشاء کے مطابق فیصلہ کرتے رہنے یا اسی جیسے

[1] ولکن قال الشیخ المفتی محمدتقی العثمانی فی فتاویه ان نظام السعودیة فی رؤیةالهلال موافق لاصول الشرع(راجع للتفصیل فتاویٰ عثمانی جلددوم صفحه۱۶۵) لکن فی هٰذاتأمل. محمدرضوان.

Idara Ghufran

دوسرے الزامات لگاتے آئے ہیں مگر آزاد اور خارجی ذرائع سے اس قسم کے الزامات کی تصدیق کرنا مشکل معلوم ہوتا ہے، ظاہر ہے کہ اس طرح کے اجتماعی اور ہمہ گیری مسئلے پر کبھی بھی سب لوگوں کے شکوک وشبہات کو ختم نہیں کیا جاسکتا، اگر چہ کوئی کمیٹی خالص اولیاء وصلحاء کی جماعت پر تشکیل دے دی جائے۔

متعدد و مستند اہلِ علم حضرات مرکزی رویت ہلال کمیٹی کے موجودہ طریقِ کار اور اس کے فیصلوں کی تائید وتوثیق فرما چکے اور دلائل کے ساتھ اس پر اپنے اطمینان کا اظہار کر چکے ہیں۔

ماضی قریب میں حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب رحمہ اللہ (خطیب مرکزی لال مسجد اسلام آباد) مدتِ دراز تک اس کمیٹی کے رکن اور چیئر مین رہے ہیں اور کمیٹی کے طریق کار وطرزِ عمل کو درست قرار دیتے رہے ہیں۔

حضرت مولانا مفتی محمد طیب صاحب زید مجدہم (مہتمم جامعہ اسلامیہ امدادیہ، فیصل آباد) مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی کی حیثیت پر روشنی ڈالتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''بہت سے اسلامی اعمال کو شریعتِ اسلامیہ نے رویتِ ہلال کے ساتھ وابستہ کیا ہے، اس مقصد کے حصول کے لئے حکومتِ پاکستان کی تشکیل کردہ مرکزی رویتِ ہلال کمیٹی شرعی فیصلے کر رہی ہے، پاکستان کی کمیٹی عالمِ اسلام کی کمیٹیوں میں سے بہترین کمیٹی ہے، جس میں جید علمائے کرام ماہرینِ فلکیات شامل ہیں اور محکمہ موسمیات کا پورا تعاون اسے حاصل ہوتا ہے، اس بناء پر اس کمیٹی کے اکثر فیصلے حقائق سے بہت زیادہ مطابقت رکھتے ہیں، لیکن اس کے باوجود ملک میں رمضان شریف کی ابتداء اور عید کی ادائیگی میں انتشار کی فضا بنتی رہتی ہے............حکومتِ پاکستان سے درخواست ہے کہ اس معاملے کو علماء کا باہمی مذہبی اختلافی مسئلہ سمجھ کر ان کے کندھوں پر ڈال کر لاتعلق نہ ہوں بلکہ یہ ادارہ حکومت کی تشکیل کردہ ایک اعلیٰ اختیاراتی کمیٹی ہے، اس کا فیصلہ حکومت کا ہی فیصلہ ہے، لہٰذا جس طرح دیگر حکومتی فیصلوں کو پوری حکومتی مشینری کا تعاون حاصل ہوتا ہے، اسی طرح حکومت کو اس ادارے کی آزادی برقرار رکھتے ہوئے مکمل پشت پناہی کرنی چاہئے۔

مسئلہ کی اصل بنیاد یہی ہے کہ ابھی تک اس ادارے کے فیصلوں کو اعلیٰ عدالتی فیصلے سمجھ کر احترام کیا گیا ہے نہ ہی تعاون کی کوئی حکومتی کوشش سامنے آئی ہے'' (ماہنامہ ''الصیانۃ'' لاہور، رمضان المبارک ۱۴۲۷ھ، اکتوبر 2006ء صفحہ ۴ و ۶، در ذیل ''پیغامِ حق''، مضمون ''رؤیتِ ہلال میں پاکستانی قوم میں اختلاف کے اسباب اور ازالہ کی تدابیر'')

مولانا موصوف مذکور نے اپنے مذکورہ مضمون میں پاکستانی قوم میں اختلاف کے اسباب اور ان سے بچنے کی تدابیر بھی پیش فرمائی ہیں جو کافی حوصلہ افزا معلوم ہوتی ہیں۔

حضرت مولانا سید محمود میاں صاحب زید مجدہم (مہتمم جامعہ مدنیہ لاہور) موجودہ مرکزی رویتِ ہلال کمیٹی کی اہمیت کو بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

> ''اس موقعہ پر بعض لوگوں نے رویتِ ہلال کمیٹی کو بھی بلا جواز تنقید کا نشانہ بنایا ہے، سچ تو یہ ہے کہ موجودہ ناخوشگوار صورتحال نے رویتِ ہلال کمیٹی کی اہمیت وافادیت کو مزید اجاگر کر دیا ہے، ان کے فیصلوں کو تسلیم کرنے والے صوبہ پنجاب اور سندھ میں کوئی قابلِ ذکر ناخوشگوار واقعہ پیش نہیں آتا، سب ایک ہی دن ہنسی خوشی اطمینان کے ساتھ اپنے مذہبی امور انجام دیتے ہیں.......... مناسب ہوگا کہ اس موقع پر علمائے کرام، مرکزی اور صوبائی حکومتیں عوام کو رؤیتِ ہلال کمیٹی کی اہمیت، اس کا دائرۂ کار اور طریقۂ کار سے متعارف کروا کر یہ باور کرائیں کہ یہ کمیٹی ہر مسلک سے تعلق رکھنے والے چاروں صوبوں کے ذمہ دار غیر تنخواہ یافتہ اعزازی ارکان کے علمائے کرام پر مشتمل ہوتی ہے اور بغیر کسی دباؤ کے شرعی اصولوں کے تحت آزادانہ فیصلہ کرتی ہے، دانستہ غلطی کی صورت میں اللہ کے یہاں جواب دہ ہوگی اور ملک میں موجود علمائے کرام بھی ان کا مواخذہ کریں گے، نادانستہ غلطی کی صورت میں اللہ کے یہاں بھی گرفت نہیں ہے اور دنیا میں بھی کوئی سزا نہیں ہے، غلط فیصلہ کی صورت میں جن روزوں کا نقصان ہوجاتا ہے قضاء کی شکل میں اس کا تدارک کیا جاسکتا ہے، لہٰذا عوام الناس کو چاہئے کہ یہ معاملہ علمائے کرام کی سرکردگی میں قائم کمیٹی ہی کے حوالہ رکھیں اور اس کے فیصلوں پر عمل کریں (ماہنامہ انوارِ مدینہ، شوال المکرّم ۱۴۲۷ھ، نومبر 2006ء، صفحہ ۴، ۵)

مولانا سید محمود میاں صاحب زید مجدہم نے اپنے مذکورہ مضمون کی ابتدا میں صوبہ سرحد میں بعض متشدد اور غیر متدین افراد کی طرف سے مقامی علماء کو چاند کے اعلان پر جبر کرنے کے متعدد واقعات بھی نقل فرمائے ہیں، قرائن وشواہد سے اس قسم کے واقعات کی تائید کرنا بے جا قرار نہیں دیا جاسکتا۔

صوبہ سرحد کے بعض علماء کا کہنا یہ ہے کہ مرکزی ہلال کمیٹی شہادتِ شرعیہ کو رد کر کے فنی بنیادوں پر زیادہ تر اپنے فیصلہ کا مدار رکھتی ہے یا شہادت کو فنی اصولوں پر پرکھتی ہے، اور شریعت نے فنی باریکیوں کا بندوں کو مکلّف نہیں کیا کیونکہ اس میں بندوں کے لئے دشواری اور تنگی ہے، شریعت کی طرف سے اصل مدار چاند کے نظر آنے پر ہے، اس لئے مرکزی رویت ہلال کمیٹی کا طریقۂ کار غیر شرعی ہے، مرکزی ہلال کمیٹی باوجود شہادتِ شرعیہ حاصل ہوجانے کے چاند کا اعلان نہیں کرتی، صوبہ سرحد سے ہمیشہ متعدد شرعی وضع قطع کے متدین لوگ رؤیتِ ہلال کی شہادت دیتے ہیں مگر کمیٹی ان شہادتوں کو فنی بنیادوں پر رد کر دیتی

ہے ۔لہٰذا ایسے موقعہ پر مقامی علماء کو شرعاً شہادتِ شرعیہ حاصل ہوجانے کے بعد چاند کے اعلان کا حق حاصل ہوتا ہے،اوراس سلسلہ میں پاکستان کے تمام صوبوں والوں پر مرکزی ہلال کمیٹی کے اعلان کی پابندی شرعاً لازم نہیں ہے۔

جبکہ ہلال کمیٹی کے ارکان کا کہنا یہ ہے کہ:

ہماری مرکزی کمیٹی کا اجلاس ہمیشہ مختلف مقامات پر اوراَدل بدل کر مختلف صوبوں میں ہوتا رہا ہے، خود اس کمیٹی کو باوجود جدید وسائل حاصل ہونے اور باوجود صوبہ سرحد میں کمیٹی کا اجلاس ہونے کے چاند نظر نہیں آتا،اور سرحد کے علاوہ ملک کے دیگر صوبوں سے بھی معتبر شہادت نہیں پہنچتی، سب سے پہلے چاند ہمیشہ صرف سرحد میں ہی نظر آتا ہے اور عموماً وہاں مہینہ بھی انتیس کا شمار کیا جاتا ہے،موسم بھی بہت سی مرتبہ ابَر آلود نہیں ہوتا، کہ دیگر صوبوں میں بسنے والے لاکھوں لوگوں کو چاند دکھائی نہ دے اور سرحد سے شہادتیں بھی ایسے انداز اور اوقات کی پہنچتی ہیں کہ وہ فنی اعتبار سے مخدوش ہوتی ہیں،بعض اوقات فنی اعتبار سے چاند کی ولادت اور وجود بھی نہیں ہوتا تو وجود سے پہلے ثبوت کیسے ہوسکتا ہے؟ اور مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی صرف فنی یا فلکی بنیادوں پر رؤیتِ ہلال کا فیصلہ صادر نہیں کرتی،البتہ اس کو رؤیتِ ہلال کی شہادت کے قابلِ اعتبار یا مجروح ہونے میں ایک درجہ کا مُمِد ومعاون سمجھتی ہے جس میں کوئی قباحت نہیں۔

اور بے شک شریعت نے بنیادی طور پر بندوں کو فنی باریکیوں کا مکلّف نہیں کیا لیکن اگر کوئی فن ترقی کر جانے کی وجہ سے باریک نہ رہا ہو اور اُس کی عام شہرت ہو چکی ہو اور ذرائع اور وسائل بھی دنیا میں معروف اور مشہور ہوں اور ان کے مطابق بہت سے دنیاوی اور دینی امور ومعاملات بھی انجام دیئے جا رہے ہوں تو اس میں امت کو تنگی میں ڈالنا لازم نہیں آتا اور نہ شریعت اس کی نفی کرتی ہے۔

جیسا کہ آج کے دور میں چانداور سورج کے طلوع وغروب کے اوقات انتہائی صحت کے ساتھ کمپیوٹر کے ذریعے معلوم ہوسکتے ہیں،اب اگر کوئی شخص یہ گواہی دے رہا ہو کہ میں نے چاند سواچھ بجے دیکھا ہے حالانکہ حساب کے مطابق چاند اس جگہ اس دن 5 بجکر 59 منٹ پر غروب

ہو چکا ہو، اس گواہی کو کیسے قبول کیا جاسکتا ہے؟

بعینہٖ اسی طرح ہم فنِ فلکیات کے حسابات کے ذریعے گواہی دینے والے کی گواہی کو پرکھتے ہیں، اس پر کیوں اعتراض کیا جاتا ہے؟

اور جو حدیث شریف میں موجود ہے کہ چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر افطار کرو، یہ مسئلہ تو واضح اور منصوص ہے، لیکن چاند دیکھنے کی گواہی کا یہ درجہ نہیں، کیونکہ اس میں صحیح اور غلط ہونے کا احتمال ہوتا ہے، اوّلاً تو گواہی دینے والے کے سچے یا جھوٹے ہونے دونوں چیزوں کا احتمال ہے، دوسرے چاند دیکھنے میں غلطی بھی ہوسکتی ہے، چاند دیکھتے وقت جب کسی کے ذہن پر چاند کا تصور غالب ہو جائے تو اسے ہر طرف چاند ہی چاند نظر آتے ہیں، آنکھ کے سامنے کوئی بال چاند محسوس ہوسکتا ہے یا دور کسی درخت اور ابر وغیرہ کی مخصوص ھیئت وغیرہ سے چاند کا دھوکہ ہوسکتا ہے۔

اور جس طرح خود چاند کے طلوع وغروب ہونے کی گواہی کے مقابلے میں چاند کے طلوع و غروب کے حسابات زیادہ یقینی ہیں کیونکہ چاند کی یہ گواہی تو ایک فرد کا مشاہدہ ہے جبکہ ان حسابات کا صحیح ہونا لاکھوں لوگوں اور ماہرینِ فن کا مشاہدہ ہے، ان ہی حسابات کے طلوع وغروب پر تو سارے حضرات نمازیں پڑھتے ہیں، روزے رکھتے ہیں اور کھولتے ہیں۔ اسی طرح چاند کے طلوع وغروب کے اوقات کا حساب کر کے اگر ہم ان کو مشاہدات پر رکھ لیں اور وہ بالکل صحیح ثابت ہوں تو ان نقشوں سے استفادہ کیوں نہیں کیا جاسکتا؟

پھر جبکہ صوبہ سرحد کی چاند کی شہادتوں کا معاملہ بار بار غیر معمولی مخدوش، خلافِ واقعہ یا مبنی علی الکذب ہونا ثابت ہو چکا ہو تو اصولی انداز میں جب تک دیگر ذرائع سے تقویت وتائید حاصل نہ ہو، سرحد کی مروّجہ شہادتوں کو قابلِ اعتناء قرار نہیں دیا جاسکتا۔

اور ثقہ ہونے کے لئے کسی کا صرف مٹھی بھر داڑھی رکھ لینا یا عمامہ پہن لینا کافی نہیں، جب تک دیگر ذرائع سے ثقاہت ثابت نہ ہوجائے، خصوصاً ایسے مقامات کہ جہاں عموماً، داڑھی رکھنا اور عمامہ وغیرہ پہننا روایتی ومعاشرتی رواج کی شکل اختیار کر گیا ہو، جس کی ایک علامت یہ ہے کہ ان چند اعمال کے پابند حضرات دوسرے بڑے بڑے اہم اعمال میں بالکل پابند نہ

ہوں، مثلاً دھوکہ دہی، قتل وغارت گری، اور جھوٹ وغلط بیانی وغیرہ۔

خلاصہ یہ کہ چاند کی شہادت کو پرکھنا ایک تو اس طور پر ہے کہ شہادت دینے والا ثقہ ہے کہ نہیں؟ دوسرے خود واقعہ کی تحقیق کرنے کے طور پر ہے کہ چاند فی الواقع دیکھا گیا ہے کہ نہیں؟ جس کا متوقع اور امکانی حالات کے تناظر میں جائزہ لیا جائے گا، ان دونوں طریقوں سے شہادتوں کو پرکھنے میں کوئی شرعی ممانعت نہیں۔

(تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: ہفت روزہ ضربِ مؤمن، ۱۸ تا ۲۴ شوال ۱۴۲۷ھ، مطابق ۱۰ تا ۱۶ نومبر ۲۰۰۶ء رنگین صفحہ و ''کشفِ ہلال صفحہ ۴۰ تا ۵۱'' مصنفہ: جناب سید شبیر احمد کاکاخیل صاحب)

اگر نیک نیتی اور اخلاص کے ساتھ غور کیا جائے تو پاکستان کی موجودہ مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی کا موجودہ نظام ہماری معلومات کے مطابق دنیا بھر کے فیصلہ رؤیتِ ہلال کے دوسرے نظاموں سے غنیمت اور شرعی تقاضوں کے بہت قریب معلوم ہوتا ہے۔

انتشار وافتراق کے دور میں ''مختلف بڑے مسلکوں کے نمائندوں کو کمیٹی میں شامل کرنا، حکومت کا اس محکمہ کو آزاد رکھنا، فنی ذرائع اور جدید آلات کو رؤیتِ ہلال میں معین ومُمِد بنانا اور فیصلہ رؤیت کی معتبر شرعی شہادت پر کرنا، وغیرہ جیسے اہم پہلو شاید ہی دنیا میں پائے جانے والے کسی دوسرے رؤیتِ ہلال کے وسیع نظام میں موجود ہوں، جبکہ آج کل معاشرے کے حالات ایسے ہیں کہ شاید ایک ہی مسلک کے چند علماء اس قسم کے کسی ایک مؤقف پر مشکل سے اتفاق کرتے ہوں'' موجودہ ہلال کمیٹی کا وجود نعمتِ غیر مترقبہ سے کم نہیں تھا، لیکن جب خود بعض علماء اور مقتدا حضرات ہی اپنی تحریر وتقریر کے ذریعہ اس کمیٹی کے علی الرغم عوام کو اپنے فیصلہ سنا کر متنفر کرتے ہوں تو پھر عوام سے کیا توقع کی جاسکتی ہے؟

رؤیتِ ہلال کے فیصلہ کا دیانت سے زیادہ قضاء اور اجتماعیت کے پہلو سے جائزہ لینے کی ضرورت ہے کہ اگر مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی کو پاکستان کی ولایتِ عامّہ کی جہت سے اس سلسلہ میں قضاء کا درجہ حاصل ہو تو اس کے برخلاف اور بالمقابل اُن علماء کا بلکہ مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی سے نچلے درجہ کی زونل کمیٹیوں کا اعلان وفیصلہ کرنا جن کو ولایتِ عامہ کی جہت سے قضاء کا منصب حاصل نہ ہو، کیا حیثیت رکھتا ہے؟ ہمارے خیال کے مطابق تو نہ اس طرح کا اعلان وفیصلہ کرنا شرعاً جائز ہے اور نہ ہی اس کی کوئی حیثیت ہے، جس طرح حدود وقصاص جاری کرنے کے لئے علماء یا غیر مجوزہ عدالت کے سامنے شرعی

طریقہ پر ثبوت کافی نہیں بلکہ اس کے لئے منصبِ قضاء کی ضرورت ہے، خصوصاً جبکہ رمضان وعید کے چاند کے فیصلہ کا اثر اجتماعی طور پر حدود وقصاص کے مقابلہ میں زیادہ وسیع حیثیت رکھتا ہے۔
بعض علماء نے ایسے وقت یہ کہہ کر فیصلہ فرما دیا کہ جن لوگوں کو جس کے اعلان وفیصلہ پر اعتماد ہو خواہ کمیٹی کے یا اس کے برخلاف مقامی علماء کے اعلان وفیصلہ پر، اُن کو رمضان وعید کے حوالہ سے اپنے اسی اعتماد کے مطابق عمل کرنا جائز یا ضروری ہے (ملاحظہ ہو: فتاویٰ حقانیہ، جلد۴صفحہ۱۳۱)
لیکن غور طلب بات یہ ہے کہ کیا قضا کے مسائل میں اس طرح گنجائش دینے کا شرعی نقطہ نظر سے جواز نظر آتا ہے؟ ظاہر ہے کہ نہیں ورنہ تو حدود وقصاص کے فیصلوں کے لئے بھی قاضی کی ضرورت نہ ہوگی اور اگر بالفرض جواز تسلیم بھی کرلیا جائے تو اگر ایک ہی شہر اور محلّہ وعلاقہ میں بلکہ ایک ہی گھر کے مختلف افراد میں اعتماد واعتبار کا محمل مختلف ہوگا تو کیسی فضا قائم ہوگی؟ اور کیا اس طرح رمضان وعید کے حقیقی مقاصد ومنافع کو حاصل کیا جاسکے گا اور اجتماعی طور پر ہر ہر مقام پر نمازِ عید کی ادائیگی کو انجام دیا جاسکے گا؟ بعید نہیں کہ ایسی صورتِ حال میں نعوذ باللہ قتل وغارت گری کی نوبت آجائے، جیسا کہ سرحد کے بعض علاقوں میں ایسی صورتِ حال کا سامنا ہے۔
ضرورت اس بات کی ہے کہ پاکستان کے تمام صوبوں کے اہلِ علم حضرات مرکزی رؤیت ہلال کمیٹی سے متعلق اپنے شکوک وشبہات کا دلائل کے تناظر میں نیک نیتی کے ساتھ جائزہ لیں اور اپنے موقف پر نظرِ ثانی کریں، اور قوم کو کسی بڑے انتشار سے بچانے کے لئے اپنے اندر اجتماعیت پیدا کریں، اور عوامی سطح پر چلنے والی ''اختلاف برائے اختلاف'' کی ریت کو ختم کرنے میں اپنا اثر ورسوخ اور کردار ادا کریں۔

اجتماعی قربانی

ادارہ غفران میں عیدالاضحیٰ کے موقع پر حسبِ سابق اس سال (۱۴۲۷ھ 2006ء) میں بھی شرعی اصولوں کے مطابق اجتماعی قربانی کا انتظام کیا گیا ہے، حصہ لینے کے خواہش مند حضرات تفصیلات کے لئے ادارہ غفران سے درج ذیل پتہ یا فون نمبر پر رابطہ فرمائیں۔

عام حصہ: تین ہزار روپے (-/3000)۔ **خاص** حصہ: پینتس سو روپے (-/3500)

انتظامیہ: ادارہ غفران، چاہ سلطان، گلی نمبر 17، راولپنڈی۔ فون: 051-5507270-5507530

درسِ قرآن (سورہ بقرہ قسط ۲۶، آیت نمبر ۳۵، ۳۶) مفتی محمد رضوان

حضرت آدم وحوّا کا جنت میں قیام وطعام

وَ قُلْنَا یٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَ كُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَیْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۳۵﴾ فَاَزَلَّهُمَا الشَّیْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِیْهِ وَ قُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ. وَلَكُمْ فِی الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّ مَتَاعٌ اِلٰی حِیْنٍ ﴿۳۶﴾

ترجمہ: اور کہا ہم نے کہ اے آدم قیام کرو تم اور تمہاری بیوی جنت میں اور تم دونوں کھاؤ اس میں سے فراغت کے ساتھ جس جگہ سے چاہو اور قریب نہ جانا اس درخت کے، ورنہ تم بھی انہی میں شمار ہو جاؤ گے جو اپنا نقصان کر بیٹھے ہیں

تفسیر وتشریح

مذکورہ واقعہ حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش اور فرشتوں کے سجدہ کے بعد اُس وقت کا ہے جب حضرت آدم علیہ السلام کی زوجہ حضرت حوا کو بھی پیدا کر دیا گیا تھا۔

جب آدم علیہ السلام کی فضیلت اور زمین کی خلافت کے لئے اُن کی صلاحیت فرشتوں پر واضح کر دی گئی اور انہوں نے اس کو تسلیم بھی کر لیا، اور شیطان اپنے تکبر کی وجہ سے مردود قرار دے کر جنت سے نکال دیا گیا تو حضرت آدم علیہ السلام جنت میں مقیم تھے لیکن اس دوران ان کو اپنے ایک رفیقِ حیات اور مونس کی ضرورت تھی اللہ تعالیٰ نے ان کی اس غرض کے لئے حضرت حوا کو پیدا کیا۔ حضرت حوا کی پیدائش کا ذکر سورۃ نساء کی پہلی آیت میں اس طرح کیا گیا ہے: وخلق منها زوجها اور حوا کو آدم سے پیدا کیا

حضرت آدم اور ان کی زوجہ حضرت حوا علیہا السلام کو یہ حکم ملا کہ تم دونوں جنت میں رہو سہو اور خوب دل کھول کر فراغت اور بے فکری کے ساتھ جہاں سے چاہو جنت کی نعمتوں کو کھاؤ پیو اور استعمال کرو۔

جنت میں کھانے پینے کی اجازت کے ساتھ ''رَغَدًا'' فرمایا گیا، جس کے معنیٰ عربی میں اس نعمت ورزق کے ہیں جس کو حاصل کرنے میں کوئی محنت ومشقت پیش نہ آئے، اور وہ اتنی زیادہ ہو کہ اس کے کم یا ختم

ہونے کا خطرہ بھی نہ ہو۔

مطلب یہ ہوا کہ آدم وحوا علیہما السلام کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جنت کے پھل جہاں سے چاہو دل کھول کر اور فراغت کے ساتھ استعمال کرتے رہو، نہ ان کے حاصل کرنے میں تمہیں کسی محنت مشقت کی ضرورت ہوگی، اور نہ یہ فکر وخطرہ ہوگا کہ یہ غذا کم یا ختم نہ ہوجائے۔

مگر ایک خاص درخت کے بارے میں یہ ہدایت فرمائی گئی کہ اس کے پاس نہ جانا یعنی اس درخت کے کھانے سے مکمل پرہیز کرنا۔

اصل مقصد تو یہ تھا کہ اس درخت کا پھل نہ کھانا مگر تاکید اور مضبوطی کے طور پر یہ انداز اختیار کیا گیا کہ اس کے پاس بھی نہ جانا، اور مراد یہی تھی کہ کھانے کے لئے اس کے پاس نہ جانا۔

اسی سے یہ مسئلہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ بعض چیزیں اپنی ذات میں ناجائز اور منع نہیں ہوتیں لیکن جب یہ خطرہ ہو کہ ان چیزوں کے اختیار کرنے سے کسی ناجائز وممنوع چیز میں مبتلا ہوجائے گا، تو اس جائز سے بھی روک دیا جاتا ہے، جیسا کہ درخت کے قریب جانا اس کے پھل کھانے کا ذریعہ بن سکتا تھا اور اصل ممانعت اس کے پھل کھانے سے تھی مگر اس کے قریب جانے سے بھی جو کہ پھل کھانے کا ذریعہ تھا منع کردیا گیا، اسی اصول کا نام فقہ میں ''سدِ ذرائع'' ہے (معارف القرآن عثمانی ج ا ص ۱۹۲ و ۱۹۵ بتغیر)

منع کیا ہوا درخت کون سا تھا؟

یہ درخت کون سا تھا قرآن مجید نے اس کی نشاندہی نہیں کی اور کسی صحیح ومستند حدیث سے بھی ثابت نہیں کہ وہ کون سا درخت تھا؟ بعض مفسرین نے فرمایا کہ گندم کا درخت تھا، بعض نے زیتون کا، بعض نے انجیر کا اور بعض نے انگور کا درخت قرار دیا ہے، اگرچہ مشہور یہی ہے کہ وہ گندم (گیہوں) کا درخت تھا، حقیقتِ حال اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے، اور کیونکہ اس متعین درخت کا علم ہوجانا نہ کوئی ضروری اور نفع بخش ہے اور نہ اس کا علم نہ ہونا کچھ مضر اور نقصان دہ ہے، اس لئے اس میں زیادہ بحث اور کدوکاوش کرنے کی ضرورت نہیں (معارف القرآن عثمانی ج ا ص ۱۹۲، معارف القرآن ادریسی ج ا ص ۱۲۸ بتغیر)

حضرت آدم وحوا علیہما السلام کون سی جنت میں قیام پذیر تھے؟

حضرت آدم وحوا علیہما السلام کو زمین پر بھیجنے سے پہلے جس جنت میں رہنے کا حکم ہوا تھا، یہ وہی جنت ہے جس میں جنتی قیامت کے بعد داخل کئے جائیں گے، اس کے علاوہ کوئی اور باغ یا جنت نہ تھی، دلائل سے

یہی بات راجح ہے (معارف القرآن ادریسی ج ۱ ص ۱۲۹، ۱۳۰ بتغیر)

رہائش کا انتظام شوہر کے ذمہ اور رہائش میں بیوی شوہر کے تابع ہے

جنت میں قیام رکھنے کا حکم اگر چہ حضرت آدم وحوا علیہما السلام دونوں کو تھا مگر اس حکم میں مخاطب حضرت آدم علیہ السلام کو بنایا گیا، ان کی زوجہ حضرت حوا علیہا السلام کو نہیں بنایا گیا، چنانچہ فرمایا گیا:

یٰاٰدَمُ اسْکُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُکَ الْجَنَّۃَ

اے آدم قیام کرو تم اور تمہاری بیوی جنت میں

اس سے دو مسئلوں کی طرف اشارہ ہو گیا۔

(۱)......ایک یہ کہ بیوی کے لئے رہائش کا انتظام شوہر کے ذمہ ہے۔

(۲)......دوسرے یہ کہ سکونت اور رہائش میں بیوی شوہر کے ماتحت اور تابع ہے، جس مکان میں شوہر رہے بیوی کو بھی اس کے ساتھ رہنا چاہئے (معارف القرآن عثمانی ج ۱ ص ۱۹۴ بتغیر)

جنت میں یہ قیام عارضی تھا

لفظِ ''**اُسْکُنْ**'' میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ اس وقت ان دونوں حضرات کے لئے جنت کا قیام عارضی تھا دائمی نہیں تھا، کیونکہ ''**اُسْکُنْ**'' کے معنیٰ ہیں ''قیام کرو، رہا کرو'' یہ نہیں فرمایا کہ یہ جنت تمہیں دے دی گئی یا یہ تمہارا مکان ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ آئندہ ایسے حالات پیش آئیں گے کہ آدم وحوا علیہما السلام کو جنت کا مکان چھوڑنا پڑے گا۔

اسی سے یہ مسئلہ بھی نکلتا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کو کہے کہ میرے گھر میں رہا کرو اس سے دوسرے کے لئے مکان کی ملکیت اور اس میں ہمیشہ رہنے کا حق حاصل نہیں ہوتا (معارف القرآن عثمانی ج ۱ ص ۱۹۴ بتغیر)

غذا و خوراک میں بیوی شوہر کے تابع نہیں

جنت کی نعمتوں کو کھانے پینے کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو حکم حضرت آدم وحوا علیہما السلام کو دیا گیا، اس میں دونوں کو مستقل طور پر مخاطب بنایا گیا، چنانچہ ارشاد فرمایا: **وَ کُلَا مِنْھَا** اور تم دونوں کھاؤ اس میں سے۔

اس سے اس طرف اشارہ ہو گیا کہ غذا اور خوراک میں بیوی شوہر کے تابع نہیں وہ اپنی ضرورت اور خواہش کے مطابق اپنی مرضی کے وقت استعمال کر سکتی ہے۔

درسِ حدیث

مولانا محمد ناصر

احادیثِ مبارکہ کی تفصیل وتشریح کا سلسلہ

پہلی صف میں نماز پڑھنے کی فضیلت

”عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ لَوْتَعْلَمُوْنَ مَافِی الصَّفِّ الْمُقَدَّمِ لَکَانَتْ قُرْعَةٌ“(صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ،باب تسویة الصفوف واقامتھاوفضل الاول فالاول منھاالخ)

”اگر تمہیں معلوم ہوجائے کہ پہلی صف (میں نماز پڑھنے) کی کیا فضیلت ہے تو قرعہ اندازی کرنی پڑے“

اس حدیث سے پہلی صف میں نماز پڑھنے کی اہمیت معلوم ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس عمل پر بہت بڑے اجروانعام رکھے ہوئے ہیں اور یہ اجروانعام حاصل کرنے کے لئے کوئی بہت زیادہ محنت اور مشقت نہیں اُٹھانی پڑتی بلکہ یہ صرف تھوڑی سی محنت پر حاصل کیے جاسکتے ہیں یعنی نماز سے پہلے ذرا اہتمام کرلیا جائے ،اس اہتمام میں زیادہ وقت خرچ نہیں ہوتا لیکن فضیلت اور اجروثواب بہت زیادہ حاصل ہوتا ہے،اور مذکورہ حدیث میں پہلی صف میں نماز پڑھنے کی کوئی خاص فضیلت اس لیے بیان نہیں ہوئی تاکہ یہ ظاہر ہوجائے کہ اس عمل کی ایسی کوئی فضیلت ہے جو الفاظ میں بیان نہیں کی جاسکتی بلکہ اس عمل کی فضیلت بیان کرنے سے الفاظ ہی قاصر ہیں (عمدۃ القاری، کتاب الاذان، باب الاستھام فی الاذان)

ایک مرتبہ آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے جماعت کی نماز میں صفوں کے مختلف درجات اور فضیلت بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ:

”اللہ تعالیٰ پہلی صف والوں پر رحمت فرماتا ہے اور فرشتے پہلی صف والوں کے لئے رحمت کی دُعا کرتے ہیں۔بعض صحابہ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ کیا دوسری صف والوں کے لئے بھی (یہ فضیلت ہے)؟ آپ ﷺ نے (دوبارہ) فرمایا کہ اللہ تعالیٰ پہلی صف والوں پر رحمت فرماتا ہے اور فرشتے پہلی صف والوں کے لئے رحمت کی دُعا کرتے ہیں۔صحابہ نے (پھر) عرض کی کہ اے اللہ کے رسول ﷺ کیا دوسری صف والوں کے لئے

Idara Ghufran

بھی؟ آپ ﷺ نے (تیسری مرتبہ) فرمایا کہ اللہ تعالیٰ پہلی صف والوں پر رحمت فرماتا ہے اور فرشتے پہلی صف والوں کے لئے رحمت کی دُعا کرتے ہیں۔ صحابہ نے (پھر) عرض کی کہ اے اللہ کے رسول ﷺ کیا دوسری صف والوں کے لئے بھی؟ آپ ﷺ نے (چوتھی مرتبہ) فرمایا کہ ہاں دوسری صف والوں کے لئے بھی'' (معارف الحدیث جلد۳ صفحہ ۲۰۹ بحوالہ مسند احمد)

اور ایک حدیث میں ہے کہ:

''آپ ﷺ نے پہلی صف میں نماز پڑھنے والوں کے لئے اللہ تعالیٰ سے تین مرتبہ مغفرت طلب کی اور دوسری صف والوں کے لئے دو مرتبہ مغفرت طلب کی اور تیسری صف والوں کے لئے ایک مرتبہ'' (المعجم الکبیر للطبرانی، باب قطعة من المفقود والمعجم الاوسط للطبرانی)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت اور فرشتوں کی طرف سے رحمت کی دُعا کے خصوصی مستحق اگلی صف والے ہی ہوتے ہیں، دوسری اور اس کے پیچھے والی صفیں بھی اگرچہ اس سعادت میں شریک ہوتی ہیں لیکن وہ بہت پیچھے ہیں، ہماری نظر میں تو پہلی اور دوسری صف کے درمیان بہت تھوڑا سا فاصلہ ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان دونوں کے درجات کے درمیان بہت زیادہ فاصلہ ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کی رحمت کے طلب گاروں کو چاہیئے کہ پہلی صف میں جگہ حاصل کرنے کی کوشش کریں اور اس کے لئے ضروری ہے کہ مسجدوں میں جلدی پہنچا جائے (معارف الحدیث جلد۳ صفحہ ۲۰۹، ۲۱۰ بتغیر)

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ پہلی صف میں نماز پڑھنا سب سے زیادہ باعثِ فضیلت ہے پھر دوسری صف میں پھر تیسری اور اسی طرح یہ فضیلت اور اجر درجہ بدرجہ پچھلی صفوں تک کم ہو کر منتقل ہوتا رہتا ہے (عمدۃ القاری، کتاب الاذان، باب الاستھام فی الاذان)

دوسروں کو تکلیف دے کر پہلی صف میں پہنچنے پر وعید

پہلی صف میں نماز پڑھنے کی احادیث میں جو فضیلت بیان ہوئی ہے، اسے حاصل کرنے کے لئے کسی مسلمان کو تکلیف پہنچانا جائز نہیں، بلکہ گناہ ہے، اور اس طرح پہلی صف میں جگہ حاصل کرنے والا بجائے ثواب کے عذاب کا مستحق ہوتا ہے چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

''آپ ﷺ خطبہ دے رہے تھے کہ ایک شخص لوگوں کی گردنیں پھلانگتا ہوا آگے بڑھا اور آپ ﷺ کے قریب جا کر بیٹھ گیا،...... آپ ﷺ نے نماز کے بعد اس سے

فرمایا کہ میں نے تمہیں دیکھا کہ لوگوں کی گردنیں پھلانگتے ہوئے جارہے تھے،تم نے ان کو تکلیف دی اور جس نے کسی مسلمان کو تکلیف دی اس نے مجھے تکلیف دی اور جس نے مجھے تکلیف دی اس نے اللہ تعالیٰ کو تکلیف دی‘‘(الترغیب والترھیب جلد۱صفحہ۲۹۱بحوالہ طبرانی فی الصغیروالاوسط)

اور ایک دوسری حدیث میں ہے کہ:

مَنْ تَخَطّٰی رِقَابَ النَّاسِ یَوْمَ الْجُمُعَةِ اتُّخِذَ جِسْرًا اِلٰی جَهَنَّمَ(ترمذی ،ابن ماجه)

’’جو شخص جمعہ کے دن لوگوں کی گردنیں پھلانگتے ہوئے آگے بڑھے گا،اسے جہنم کا پُل بنایا جائے گا‘‘(ترمذی،ابنِ ماجہ)

اس سے معلوم ہوا کہ لوگوں کو تکلیف پہنچا کر پہلی صف میں پہنچنے سے پہلی صف کی فضیلت حاصل نہیں ہوتی بلکہ گناہ ہوتا ہے اور دنیا میں کیونکہ اُس شخص نے لوگوں کی گردنوں کو پھلانگا اور گویا ان کی گردنوں کو اپنے لیے راستہ اور پُل بنایا،اس لیے اللہ تعالیٰ اس شخص کا جھنم پر پُل بنائیں گے اور لوگ اس پر سے گزریں گے اور اسے اپنے کیے کا پورا پورا بدلہ ملے گا(عمدۃ القاری،کتاب الجمعۃ،باب لایفرق بین اثنین یوم الجمعۃ)

اس حدیث میں جمعہ کا دن فرمانے کا یہ مطلب نہیں کہ جمعہ کے دن نمازِ جمعہ میں ایسی حرکت کرنے والے کے لئے تو یہ وعید اور سزا ہے،اس کے علاوہ باقی دنوں اور موقعوں پر لوگوں کی گردنیں پھلانگنے اور انہیں تکلیف دے کر اچھی جگہ بیٹھنے پر سزا نہیں، بلکہ جمعہ کا دن اس لیے فرمایا گیا ہے کہ اس دن مسجد میں ہجوم زیادہ ہوتا ہے اور نمازِ جمعہ میں ایسی حرکت کرنا زیادہ بُرا ہے،ورنہ وعظ ونصیحت اور لوگوں کے دوسرے اجتماعات کے وقت بھی دوسرے مسلمانوں کو تکلیف پہنچا کر آگے بڑھنا جائز نہیں بلکہ گناہ ہے چنانچہ ایک حدیث جو سنداً ضعیف ہے،اُس میں ہے کہ’’جس نے کسی جماعت کی گردنوں کو بغیر ان کی اجازت (اور خوش دلی کے) پھلانگا،تو اس نے گناہ کیا‘‘(بحوالہ الدیلمی فی مسند الفردوس)

لیکن یاد رہے کہ محدثین نے اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ اگر امام کو محراب یا اپنے مصلّے تک پہنچنے کے لئے لوگوں کی گردنیں پھلانگنا پڑیں تو گناہ نہیں کیونکہ یہاں مجبوری ہے،اسی طرح اگر کسی شخص کے سامنے اگلی صفوں تک پہنچنے کے لئے راستہ کشادہ ہو،اور اگلی صفوں میں جگہ بھی خالی ہو تو دوسروں کو تکلیف دیے بغیر اگلی صفوں تک جانے میں کوئی گناہ نہیں(عمدۃ القاری شرح صحیح

البخاری، کتاب الجمعة، باب لایفرق بین اثنین یوم الجمعة)

اگر پہلی صف میں جگہ نہ ہو یا جگہ تنگ ہو تو ایسی صورت میں پچھلی صف میں کھڑا ہونا چاہیے، ایک حدیث میں ہے کہ:

مَنْ تَرَکَ الصَّفَّ الْاَوَّلَ مَخَافَةً اَنْ یُّؤْذِیَ اَحَداً اَضْعَفَ اللّٰہُ لَہٗ اَجْرَ الصَّفِّ الْاَوَّلِ

(الترغیب والترھیب جلد ۱ صفحہ ۱۹۰ بحوالہ الطبرانی فی الاوسط وعمدة القاری، کتاب الاذان، باب الاستھام فی الاذان باختلاف یسیر)

''جو شخص اس خوف سے پہلی صف کو چھوڑ دے کہ کسی دوسرے کو تکلیف ہوگی تو اللہ تعالیٰ اس کو پہلی صف کے ثواب سے دوگنا ثواب عطا فرماتے ہیں''

لہٰذا ایسے موقعہ پر پچھلی صف میں کھڑے ہوتے وقت یہ نیت کر لی جائے کہ کہیں میری وجہ سے دوسروں کو تکلیف نہ ہو، اس نیت کی برکت سے اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ پچھلی صف میں کھڑا ہونے والا بھی پہلی صف والوں جیسا ثواب پائے گا۔

نماز میں صفوں کو سیدھا کرنے کی اہمیت

نماز میں صفوں کو صحیح کرنے کی احادیث میں بہت تاکید آئی ہے، چنانچہ اگلی صفوں کو مکمل کرنا، اگلی صفیں جب تک پُر نہ ہو جائیں پچھلی صف میں کھڑا نہ ہونا، صفوں میں خلا نہ چھوڑنا، تمام صفوں کو بالکل سیدھا کرنا یہ سب صفیں صحیح کرنے میں شامل ہے اور ان میں سے کوئی سی کوتاہی بھی نماز کے حقیقی ثمرات سے محروم کر دیتی ہے، کیونکہ ایک حدیث میں صفوں کو برابر اور صحیح کرنے کے بارے میں ہے کہ:

سَوُّوْا صُفُوْفَکُمْ، فَاِنَّ تَسْوِیَةَ الصُّفُوْفِ مِنْ اِقَامَةِ الصَّلاۃِ (بخاری)

''صفوں کو برابر (یعنی سیدھا) کرو اس لیے کہ صفوں کو سیدھا کرنا نماز کے قائم کرنے میں شامل ہے''

قرآن مجید میں جہاں بھی ایمان والوں کو نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے وہاں نماز قائم کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور مذکورہ حدیث میں نماز قائم کرنے میں اس عمل کو بھی شامل کیا گیا ہے کہ اپنی صفوں کو سیدھا کیا جائے، اس سے معلوم ہوا کہ صفیں سیدھی کرنا کوئی معمولی عمل نہیں۔

ایک حدیثِ مبارکہ میں ہے کہ:

رَصُّوا صُفُوفَكُمْ وَقَارِبُوا بَيْنَهَا وَحَاذُوا بِالْاَعْنَاقِ فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ إِنِّي لَأَرَى الشَّيْطَانَ يَدْخُلُ مِنْ خَلَلِ الصَّفِّ كَأَنَّهُ الْحَذَفُ (ابو داؤد، کتاب الصلوۃ، باب تصویۃ الصفوف)

''اپنی صفوں کو خوب ملاؤ اور قریب قریب کھڑے ہو اور گردنیں ایک دوسرے کے برابر رکھو، اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے میں شیطان کو دیکھتا ہوں کہ وہ صفوں کے درمیان اس طرح داخل ہوتا ہے جیسے بھیڑ کا بچہ'' (ابوداؤد، کتاب الصلوٰۃ، باب تصویۃ الصفوف)

اس حدیثِ مبارکہ میں صفیں سیدھی کرنے کا یہ طریقہ ارشاد ہوا کہ مِل مِل کے کھڑے ہوا جائے، اور گردنیں ایک دوسرے کی سیدھ میں اور برابر ہوں، اور ایک دوسری حدیث میں ہے کہ:

اَقِيْمُوا الصُّفُوْفَ وَحَاذُوْا بَيْنَ الْمَنَاكِبِ (ابو داؤد، کتاب الصلوۃ، باب تصویۃ الصفوف)

''صفیں سیدھی قائم کرو اور کندھے ایک دوسرے کے بالمقابل رکھو'' (ابوداؤد، کتاب الصلوٰۃ، باب تصویۃ الصفوف)

صفیں سیدھی کرنے کا طریقہ

حضور ﷺ نے جہاں صفیں سیدھی کرنے کا حکم اور فضیلت احادیث میں بیان فرمائی ہے وہاں صفیں سیدھی کرنے کا طریقہ بھی اپنی امت کو سکھایا ہے، اور وہ یہ ہے کہ کندھے، گردنیں اور قدم ایک سیدھ میں رکھے جائیں، لیکن کچھ لوگ جماعت کی نماز میں پاؤں کی اُنگلیاں دوسرے نمازی کے پاؤں کی انگلیوں کے ساتھ ملانے کو سنت سمجھتے ہیں حالانکہ حضور ﷺ نے کسی حدیث میں بھی صفیں بناتے ہوئے پاؤں سے پاؤں ملانے کا حکم نہیں دیا اور نہ خود عمل کیا اور نہ صحابہ رضی اللہ عنہم حضور ﷺ کے سامنے ایسا کیا کرتے تھے۔ بلکہ اصل بات یہ ہے کہ جب حضور ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے سامنے صفیں سیدھی کرنے کی تاکید بیان کی تو صحابہ صفیں سیدھی کرنے میں بہت اہتمام کرنے لگے، صحابہ کے اس اہتمام کو ایک راوی نے مبالغہ کرتے ہوئے اس طرح بیان کیا کہ آپ ﷺ نے جب صفیں سیدھی کرنے کی صحابہ کو تاکید کی تو میں نے دیکھا کہ ایک شخص دوسرے شخص کے کندھے سے کندھا، گھٹنے سے گھٹنہ اور ٹخنے سے ٹخنہ ملا کر کھڑے ہونے لگا، چنانچہ وہ روایت یہ ہے:

أَقِيْمُوا صُفُوفَكُمْ ''ثَلَاثًا'' وَاللهِ لَتُقِيْمُنَّ صُفُوفَكُمْ أَوْلَيُخَالِفَنَّ اللهُ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ قَالَ فَرَأَيْتُ الرَّجُلَ يَلْزِقُ مَنْكِبَهُ بِمَنْكِبِ صَاحِبِهِ وَرُكْبَتَهُ بِرُكْبَةِ صَاحِبِهِ وَكَعْبَهُ

بِكَعْبِهٖ(ابو داؤد، کتاب الصلاۃ ،باب تسویۃ الصفوف)

''(آپ ﷺ نے) تین مرتبہ فرمایا کہ اپنی صفوں کوسیدھا رکھو،اللہ کی قسم اپنی صفوں کوسیدھا رکھو،ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں میں مخالفت ڈال دے گا۔راوی کہتے ہیں کہ پھر میں نے دیکھا کہ ایک شخص کا دوسرے شخص کے کندھے سے کندھا، گھٹنے سے گھٹنہ اور ٹخنے سے ٹخنہ ملا ہوتا تھا'' (ابوداؤد،کتاب الصلاۃ ،باب تسویۃ الصفوف)

دراصل راوی نے یہ بات مبالغہ کرتے ہوئی کہی ہے ورنہ ہر شخص جانتا ہے کہ کندھے سے کندھا، گھٹنے سے گھٹنہ اور ٹخنے سے ٹخنہ ملا کر کھڑا ہونا بہت مشکل مرحلہ ہے ،اوراگراس طرح دوآدمی بھی کھڑے ہوں تو عجیب وغریب حالت بن جائے۔

چنانچہ راوی کی اس بات کی تشریح علامہ عینی رحمہ اللہ نے اپنی بخاری شریف کی شرح عمدۃ القاری میں اور حافظ ابنِ حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے اپنی بخاری شریف کی شرح فتح الباری میں یہ کی ہے:

أی هٰذاباب فی بیان الصاق المنکب بالمنکب ......الیٰ آخره وأشار بهٰذاالی المبالغة فی تعدیل الصفوف وسدالخلل فیه (عمدة القاری شرح صحیح البخاری،کتاب الاذان ،باب الصاق المنکب بالمنکب و القدم بالقدم فی الصف وفتح الباری شرح صحیح البخاری ،کتاب الاذان ،باب الزاق المنکب بالمنکب والقدم بالقدم فی الصف باختلاف یسیر)

''اس باب کانام جوکندھے سے کندھا(گھٹنے سے گھٹنہ اور ٹخنے سے ٹخنہ) ملاکر کھڑے ہونا رکھا گیاہے اس سے صفیں سیدھی کرنے میں مبالغہ اورصفوں کے درمیان میں خلاء پُر کرنا مراد ہے''

اتنے عظیم محدثین نے راوی کی بات کی جوتشریح بیان کی ہے وہی صحیح ہے۔

لہٰذاصفیں سیدھی کرنے کا صحیح طریقہ یہ ہواکہ کندھے ،گردنیں اورقدم ایک سیدھ میں رکھے جائیں اور پاؤں کی ایڑیوں سے صف کوبرابرکیا جائے نہ کہ پاؤں کے اگلے حصے یعنی انگلیوں سے،کیونکہ پاؤں چھوٹا بڑا ہوسکتاہے ،اگر پاؤں کے اگلے حصے سے صف برابر کی جائے توصف برابر نہیں ہوگی جبکہ ایڑیاں اگرایک سیدھ میں رکھی جائیں توصف سیدھی ہوجائے گی۔

امام کے دائیں اور بائیں صف برابر رکھنے کی فضیلت

جماعت کی نماز میں صف بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ امام کے بالکل پیچھے کھڑا ہو کر صف بنانی شروع کی جائے پھر امام کی سیدھ میں کھڑے شخص کے دائیں طرف کھڑا ہوا جائے پھر بائیں طرف، اس طرح امام کے دونوں طرف صف میں توازن برقرار رہے گا لیکن اگر کبھی امام کے دائیں جانب زیادہ لوگ کھڑے ہو جائیں اور بائیں جانب کی جگہ خالی ہو تو اس صورت میں بائیں جانب کھڑے ہونے میں زیادہ فضیلت ہے چنانچہ حدیث میں ہے:

مَنْ عَمَّرَ جَانِبَ الْمَسْجِدِ الْاَيْسَرِ لِقِلَّةِ اَهْلِهٖ فَلَهٗ اَجْرَانِ (الترغیب والترهیب جلد ا صفحه ۱۹۱، بحواله طبرانی فی الکبیر)

''جس نے مسجد میں (صفوں کی بائیں طرف کو) لوگوں کے کم ہونے کی وجہ سے پُر کیا تو اس کے لئے دو اجر ہیں''

لہٰذا جماعت کی نماز میں صرف امام کے دائیں طرف کھڑے ہونے میں فضیلت سمجھتے ہوئے امام کے بائیں طرف جگہ خالی چھوڑ دینا ٹھیک نہیں بلکہ با جماعت نماز میں شریک ہونے والوں کو چاہئے کہ امام کے دائیں اور بائیں دونوں طرف صف برابر رکھنے کا اہتمام کیا کریں۔

اور اگر کبھی کسی صف میں جگہ خالی ہو تو اس خالی جگہ کو پُر کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت محبوب اور پسندیدہ عمل ہے، احادیث میں اس خالی جگہ کو پُر کرنے کے مختلف فضائل آئے ہیں، ایک حدیث میں ہے:

مَنْ سَدَّ فُرْجَةً رَفَعَهُ اللّٰهُ بِهَا دَرَجَةً وَبَنٰى لَهٗ بَيْتًا فِى الْجَنَّةِ (الترغیب والترهیب جلد ا صفحه ۱۹۰، بحواله طبرانی فی الاوسط)

''جو شخص صف کے کسی خلاء کو پُر کرے، اللہ تعالیٰ اس عمل کی برکت سے اس کا درجہ بلند فرماتے ہیں اور جنت میں اس کے لئے گھر بناتے ہیں''

اگلی صف میں جگہ ہوتے ہوئے پچھلی صف میں کھڑا ہونے پر وعید

اگلی صف میں جگہ ہوتے ہوئے پچھلی صف میں کھڑا ہو جانا بہت بُرا عمل ہے، حدیث میں ایسے شخص کے بارے میں ہے کہ:

(بقیه صفحه ٦٧ پر ملاحظه فرمائیں)

بسلسلہ : تاریخی معلومات مولوی طارق محمود

ماہِ ذیقعدہ: تیسری نصف صدی کی اجمالی تاریخ کے آئینے میں

□......**ماہِ ذیقعدہ ۲۰۱ھ:** میں حضرت ابو اسامہ حماد بن اسامہ بن زید الکوفی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی، آپ کی ولادت ۱۲۰ھ کے لگ بھگ ہوئی، ہشام بن عروہ، اعمش، ابن ابی خالد، ادریس بن یزید الاودی اور احوص بن حکیم الشامی رحمہم اللہ وغیرہ سے حدیث کی سماعت کی، عبدالرحمٰن بن مہدی، شافعی، قتیبہ، حمیدی، احمد، اسحاق اور ابوخیثمہ رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی، ایک مرتبہ اپنی دو انگلیوں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ میں نے ان دو انگلیوں سے ایک لاکھ حدیثیں لکھیں، ۸۰ سال کی عمر میں وفات ہوئی (سیر اعلام النبلاء ج۹ ص۲۷۹)

□......**ماہِ ذیقعدہ ۲۰۳ھ:** میں حضرت حسین بن علی الجعفی الکوفی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی، آپ امام اعمش اور بہت سے محدثین کے شاگرد ہیں، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے حسین بن علی اور سعد بن عامر الضبعی سے افضل کسی کو نہیں دیکھا، امام یحییٰ بن یحییٰ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر ابدال میں سے کوئی شخص باقی ہو تو وہ حسین الجعفی ہیں، باوجود بہت بڑے عالم ہونے کہ آپ کو زہد وعبادت میں بڑا مقام حاصل تھا ''شذرات الذھب ج۱ ص۵ میں وفات ۲۰۲ھ درج ہے'' (العبر فی خبر من خبر ج۱ ص۳۳۹، الطبقات الکبریٰ ج۶ ص۵۹۶، سیر اعلام النبلاء ج۹ ص۴۰۰)

□......**ماہِ ذیقعدہ ۲۰۴ھ:** میں حضرت ابوعقبہ لہیعۃ بن عیسیٰ بن لھیعۃ الحضرمی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی، آپ اپنے چچا عبداللہ بن لھیعۃ رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں، آپ مصر کے قاضی بھی تھے (المنتظم ج۱۰ ص۱۳۳)

□......**ماہِ ذیقعدہ ۲۰۵ھ:** میں حضرت ابوعبداللہ بشر بن بکر البجلی الدمشقی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا، آپ کی ولادت ۱۲۴ھ میں ہوئی، امام اوزاعی اور ابوبکر بن ابی مریم الحمصی رحمہما اللہ آپ کے اساتذہ ہیں، آپ کے بیٹے احمد، ابنِ وھب، شافعی اور حمیدی رحمہم اللہ آپ کے شاگرد ہیں (سیر اعلام النبلاء ج۹ ص۵۰۸)

☐...... **ماہِ ذیقعدہ ۲۰۸ھ**: میں فضل بن ربیع کی وفات ہوئی، یہ خلیفہ ھارون الرشید کے دربان تھے،
(العبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۳۵۵، الکامل ج ۵ ص ۱۷، شذرات الذھب ج ۱ ص ۲۰)

☐...... **ماہِ ذیقعدہ ۲۱۳ھ**: میں حضرت عبیداللہ بن موسیٰ بن ابی المختار الکوفی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی، آپ پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے مسند کی ترتیب پر ایسی کتاب مرتب کی جس میں کوفہ کے صحابہ کی روایات کو جمع کیا گیا تھا، آپ کی ولادت تقریباً ۱۲۰ھ میں ہوئی، ھشام بن عروۃ، سلیمان الاعمش، اسماعیل بن ابی خالد، زکریا بن ابی زائدہ اور سعد بن اوس العبسی رحمہم اللہ سے حدیث کی سماعت کی، امام احمد بن حنبل، اسحاق، ابنِ معین، محمد بن عبداللہ بن نمیر، عبد بن حمید اور علی بن محمد الطنافسی رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی ''وقیل مات فی شوالھا'' (سیر اعلام النبلاء ج ۹ ص ۵۵۶)

☐...... **ماہِ ذیقعدہ ۲۱۵ھ**: میں حضرت احمد بن المفضل العنقزی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی، اسباط بن نصر، عثمان بن حکیم الاودی اور شریک رحمہم اللہ سے حدیث کی سماعت کی، عباسی خلیفہ مامون کے دورِ خلافت میں وفات ہوئی (الطبقات الکبریٰ ج ۶ ص ۴۱۰)

☐...... **ماہِ ذیقعدہ ۲۲۳ھ**: میں حضرت ابو علی احمد بن الحکم البغدادی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا، امام مالک، ابراھیم بن سعد اور شریک بن عبداللہ رحمہم اللہ سے حدیث کی سماعت کی، امام دارقطنی رحمہ اللہ نے آپ کو حدیث کے معاملہ میں متروک لکھا ہے، مصر میں وفات ہوئی (المنتظم ج ۱۱ ص ۸۶)

☐...... **ماہِ ذیقعدہ ۲۲۷ھ**: میں عباسی خلیفہ الواثق باللہ کی والدہ قراطیس کی وفات ہوئی، یہ حج کے لئے نکلیں اور حیرہ کے مقام پر وفات ہوئی، اور کوفہ میں تدفین ہوئی (المنتظم ج ۱۱ ص ۱۲۶)

☐...... **ماہِ ذیقعدہ ۲۲۸ھ**: میں حضرت ابو اللیث سلیم بن قادم رحمہ اللہ کا انتقال ہوا، بقیہ اور محمد بن حرب رحمہما اللہ آپ کے اساتذہ ہیں، بغداد میں وفات ہوئی (الطبقات الکبریٰ ج ۷ ص ۳۵۱)

☐...... **ماہِ ذیقعدہ ۲۲۸ھ**: میں حضرت ابو جعفر محمد بن مصعب رحمہ اللہ کی وفات ہوئی، آپ قرآن مجید کے معلم تھے، حدیث کے معاملہ میں ثقہ شمار ہوتے ہیں، بغداد میں وفات ہوئی (الطبقات الکبریٰ ج ۷ ص ۳۶۱)

☐...... **ماہِ ذیقعدہ ۲۲۹ھ**: میں حضرت ابو جعفر عبداللہ بن محمد بن عبداللہ بن جعفر بن الیمان البخاری المسندی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی، سفیان بن عیینہ، فضیل بن عیاض اور عبدالرزاق رحمہم اللہ اور بہت سے مشاہیر سے حدیث روایت کرتے ہیں، امام بخاری، ابوزرعۃ اور ابوحاتم رحمہم اللہ آپ سے حدیث روایت

کرتے ہیں" "وقیل بعضھم توفی فی ذی الحجة" (المنتظم ج۱۱ص ۱۴۷ھ)

□......**ماہِ ذیقعدہ ۲۲۹ھ:** میں حضرت ابوجعفر محمد بن سلام الجعفی المسندی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی، آپ کے اساتذ درجِ ذیل ہیں: سفیان بن عیینہ، مروان بن معاویہ، اسحاق الارزق، فضیل بن عیاض، عبداللہ بن نمیر اور عبدالرزاق رحمہم اللہ، آپ کے شاگرد درجِ ذیل ہیں: بخاری، ذہلی، ابوالزرعہ الرازی، عبیداللہ بن واصل اور محمد بن نصر رحمہم اللہ، آپ کو ماوراء النہر (وسطی ایشیا) کا شیخ کہا جاتا ہے، امام حاکم رحمہ اللہ نے آپ کو علمِ حدیث میں وسطی ایشیاء کا امام قرار دیا ہے، ۹۰ سال کی عمر میں وفات ہوئی (سیر اعلام النبلاء ج۱۰ص ۶۵۹)

□......**ماہِ ذیقعدہ ۲۳۰ھ:** میں حضرت ابوجعفر عون بن سلام الکوفی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی، ابوبکر النھشلی، اسرائیل بن یونس، زہیر بن معاویہ اور محمد بن طلحہ بن معرف رحمہم اللہ سے حدیث کی روایت کرتے ہیں، مسلم، احمد بن علی الابار، محمد بن عبداللہ مطین، محمد بن عثمان بن ابی شیبہ، موسیٰ بن اسحاق الخطمی اور موسیٰ بن ھارون الحمال رحمہم اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں، ۹۰ سال کی عمر میں وفات ہوئی (سیر اعلام النبلاء ج۱۰ص ۴۴۱)

□......**ماہِ ذیقعدہ ۲۳۱ھ:** میں حضرت ابوداؤد سلیمان بن داؤد المباری رحمہ اللہ کا انتقال ہوا، یحییٰ بن ابی زائدہ رحمہ اللہ آپ کے استاد ہیں، امام مسلم بن الحجاج اور ابوزرعۃ رحمہما اللہ آپ کے شاگرد ہیں، حدیث کے معاملہ میں ثقہ شمار ہوتے ہیں (المنتظم ج۱۱ص ۱۷۲)

□......**ماہِ ذیقعدہ ۲۳۲ھ:** میں حضرت عبدالرحمٰن بن اسحاق بن ابراہیم بن سلمہ بن الضبی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی، آپ مذھباً حنفی تھے، رقّہ شہر اور اس کے بعد بغداد کا قاضی بھی آپ کو بنایا گیا تھا، ۲۲۸ھ میں قضا کے منصب سے معزول ہوئے، اور مکہ کی طرف جارہے تھے کہ راستے میں فیدؔ کے مقام پر انتقال ہوا اور وہیں پر دفن ہوئے (المنتظم ج۱۱ص ۱۸۳)

□......**ماہِ ذیقعدہ ۲۳۳ھ:** میں حضرت یحییٰ بن معین بن عون بن زیاد بن بسطام البغدادی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا، آپ کا شمار مدینہ منورہ کے بڑے علماء میں ہوتا تھا، ابن المبارک، ہشیم، عیسیٰ بن یونس، یحییٰ بن ابی زائدہ اور سفیان بن عیینہ رحمہم اللہ آپ کے اساتذہ میں شمار ہوتے ہیں، احمد بن حنبل، ابوخیثمہ، محمد بن سعد اور بخاری رحمہم اللہ آپ کے شاگردوں میں شامل ہیں، امام علی بن المدینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یحییٰ بن معین علمِ جرح وتعدیل میں کمال رکھتے تھے اس علم کی امامت آپ پر ختم ہے، امام احمد رحمہ اللہ آپ کے

بارے میں فرماتے ہیں کہ ہر وہ حدیث جو یحیٰ بن معین تک نہ پہنچے وہ حدیث ہی نہیں، آپ سے روایت شدہ حدیثیں صحاحِ ستہ میں بھی موجود ہیں، حج کے سفر میں مدینہ منورہ میں انتقال ہوا، اور جنت البقیع میں دفن ہوئے، وفات کے وقت ۷۶ یا ۷۵ سال عمر تھی (المنتظم ج ۱۱ ص ۲۰۴، شذرات الذهب ج ۱ ص ۷۹، العبر فی خبر من خبر ج ۱ ص ۴۱۵، سیر اعلام النبلاء ج ۱۱ ص ۹۱)

□......ماہِ ذیقعدہ ۲۳۴ھ: میں حضرت علی بن عبداللہ بن جعفر بن یحیٰ بن بکر بن سعد بصری المدینی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا، کوفہ کے مقام پر ۱۶۱ھ میں ولادت ہوئی، آپ کی تصانیف بہت کثرت سے ہیں، حماد بن زید، ھشام بن بشیر اور سفیان بن عیینۃ رحمہم اللہ اوران کے طبقہ سے روایت کرتے ہیں، ۷۳ سال کی عمر میں وفات ہوئی (العبر فی خبر من خبر ج ۱ ص ۴۱۸، المنتظم ج ۱۱ ص ۲۱۹، شذرات الذهب ج ۱ ص ۸۱، سیر اعلام النبلاء ج ۱۱ ص ۵۹)

□......ماہِ ذیقعدہ ۲۳۴ھ: میں حضرت ابوالحسن علی بن عبداللہ بن عبداللہ بن جعفر بن نجیح المدنی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی (الطبقات الکبریٰ ج ۷ ص ۳۰۸)

□......ماہِ ذیقعدہ ۲۳۴ھ: میں حضرت ابومحمد عبداللہ بن عمر بن الرماح البلخی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی، آپ نیشاپور کے قاضی تھے، امام مالک، حماد بن زید اور معتمر بن سلیمان رحمہم اللہ سے آپ کو شرفِ تلمذ حاصل ہے، امام اسحاق بن راھویہ، ذھلی، ابراہیم بن ابی طالب، جعفر بن محمد بن سوار اور محمد بن عبدالوھاب الفراء رحمہم اللہ آپ کے شاگرد ہیں (سیر اعلام النبلاء ج ۱۱ ص ۱۳)

□......ماہِ ذیقعدہ ۲۳۴ھ: میں حضرت عقبہ بن مکرم الضبی الھلالی الکوفی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا، حدیث کی روایت سفیان بن عیینہ، مسیّب بن شریک، مصعب بن سلام اور یحیٰ بن یمان رحمہم اللہ سے کرتے ہیں، ابراہیم بن دیزیل اور ابنِ ابی عاصم رحمہما اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں (سیر اعلام النبلاء ج ۱۲ ص ۱۷۹)

□......ماہِ ذیقعدہ ۲۳۵ھ: میں حضرت ابونصر منصور بن بشیر رحمہ اللہ کی وفات ہوئی، آپ ترک قیدیوں میں سے تھے، آپ کا ایک دیوان بھی لوگوں میں متداول اور رائج تھا، ۸۰ سال کی عمر میں بغداد میں وفات ہوئی (الطبقات الکبریٰ ج ۷ ص ۳۴۷)

□......ماہِ ذیقعدہ ۲۳۶ھ: میں حضرت ابواحمد حسن بن سہل بن عبداللہ رحمہ اللہ کی وفات ہوئی، آپ نے ۷۰ سال کی عمر پائی اور سرخس شہر میں انتقال ہوا (المنتظم ج ۱۱ ص ۲۴۱، سیر اعلام النبلاء ج ۱۱ ص ۱۷۲)

□......**ماہِ ذیقعدہ ۲۳۸ھ**: میں حضرت ابوالولید بشر بن الولید الکندی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی، امام مالک رحمہ اللہ اوران کے طبقہ سے روایت کرتے ہیں، آپ بغداد کے قاضی بھی رہے ہیں، آپ بہت کثرت سے نوافل پڑھا کرتے تھے اور بہت زیادہ عبادت کیا کرتے تھے، ۹۷ سال کی عمر میں بغداد میں وفات ہوئی (العبر فی خبر من خبر ج ا ص ۴۲۷، شذرات الذھب ج ا ص ۸۹، سیر اعلام النبلاء ج ۱۰ ص ۶۷۵)

□......**ماہِ ذیقعدہ ۲۴۵ھ**: میں حضرت ذوالنون مصری بن ابراہیم رحمہ اللہ کی وفات ہوئی، بعض حضرات کے نزدیک آپ کا نام ثوبان تھا، آپ بہت بڑے واعظ تھے، امام مالک، لیث بن سعد، سفیان بن عیینۃ اور فضیل رحمہم اللہ سے حدیث کی سند حاصل کی، جبزہ کے مقام پر وفات ہوئی "المنتظم ج ۱۱ ص ۳۴۶ میں سنِ وفات ۲۴۶ھ لکھی ہوئی ہے" (شذرات الذھب ج ا ص ۱۰۸، سیر اعلام النبلاء ج ۱۱ ص ۵۳)

□......**ماہِ ذیقعدہ ۲۴۸ھ**: میں حضرت ابوجعفر احمد بن صالح المصری رحمہ اللہ کا انتقال ہوا، آپ کی ولادت ۱۷۰ھ میں ہوئی، محمد بن یحییٰ الذھلی، بخاری، ابوزرعۃ اور یعقوب بن سفیان رحمہم اللہ سے حدیث کی سماعت کی، آپ ابنِ الطبری کے نام سے مشہور تھے (المنتظم ج ۱۲ ص ۹، طبقات الحفاظ ج ا ص ۲۲۰)

□......**ماہِ ذیقعدہ ۲۴۹ھ**: میں حضرت ابوعثمان سعید بن یحییٰ بن سعید بن ابان بن سعید بن العاص الاموی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی، ابن المبارک اور عیسیٰ بن یونس رحمہما اللہ آپ کے اساتذہ میں سرِ فہرست ہیں، امام بخاری، مسلم، بغوی اور ابن صاعد رحمہم اللہ آپ کے مایہ ناز شاگرد ہیں، آپ کی تدفین باب البردان کے مقبرہ میں ہوئی (المنتظم ج ۱۲ ص ۳۱)

□......**ماہِ ذیقعدہ ۲۴۹ھ**: میں حضرت ابوحفص عمرو بن علی بن بحر بن کنیز الباھلی الفلاس رحمہ اللہ کی وفات ہوئی، یزید بن زریع، مرحوم العطاء، عبدالعزیز بن عبدالصمد العمی اور خالد بن حارث رحمہم اللہ سے حدیث کی سماعت کی، صحاحِ ستہ کے مصنفین، ابوزرعہ، ابوحاتم اور ابن ابی الدنیا رحمہم اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں (سیر اعلام النبلاء ج ۱۱ ص ۴۷۲، طبقات الحفاظ ج ا ص ۶۱۵)

□......**ماہِ ذیقعدہ ۲۵۰ھ**: میں حضرت ابوطاہر احمد بن عمرو بن عبداللہ بن عمرو بن السرج رحمہ اللہ کا انتقال ہوا، آپ محدث ہونے کے ساتھ ساتھ ایک بڑے فقیہہ بھی تھے، رشدین، سفیان بن عیینہ اور ابنِ وھب رحمہم اللہ سے حدیث روایت کرتے ہیں (المنتظم ج ۱۲ ص ۳۶)

مقالات ومضامین ترتیب: مفتی محمد رضوان

حضرت نواب محمد عشرت علی خان قیصر صاحب مدظلہم (قسط ۸)

مسجد میں باجماعت نماز کا اہتمام

حضرت نواب محمد عشرت علی خان قیصر صاحب دامت برکاتہم کو اپنے والد صاحب مرحوم کے نقشِ قدم کے مطابق ہمیشہ سے مسجد میں باجماعت نماز کا اہتمام رہا ہے، سخت بیماری اور ضعف کی حالت میں بھی آپ کی ممکنہ کوشش مسجد میں باجماعت نماز ادا فرمانے کی رہتی ہے، جب تک حضرت والا کو ہمت رہی گھر سے مسجد تک پیدل یا گاڑی خود چلا کر مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے جانے کا اہتمام فرماتے رہے ہیں، ایک مرتبہ جب رات کو بندہ آپ والا کے اسلام آباد دولت خانہ پر مقیم تھا تو حضرت والا فجر کی نماز کے لئے مسجد میں پیدل تشریف لے گئے، راستہ میں بندہ بھی حضرت والا کے ہمراہ تھا، حضرت والا نے راستہ میں تشریف لے جاتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ بندہ کا خاص طور پر فجر کی نماز کے لئے آجکل عموماً پیدل جانے کا معمول ہے جس کی چند وجوہات ہیں، ایک وجہ تو یہ ہے کہ اس بہانے سے صبح کے اس عمدہ اور صحت کے لئے مفید وقت میں مشی اور چہل قدمی ہو جاتی ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ بزرگوں کی ہدایت ہے کہ آخری دم تک ہاتھ پاؤں ہلاتے رہنا، ورنہ بڑھاپے میں اگر ایک مرتبہ ہاتھ پاؤں ہلانا چھوڑ دیے تو پھر دوبارہ صلاحیتوں کا بحال ہونا مشکل ہے، اور تیسری وجہ یہ ہے کہ اس وقت راستہ صاف ہوتا ہے، اور پیدل آمد ورفت میں کوئی دشواری پیش نہیں آتی اور دوسرے اوقات میں عموماً گاڑیوں اور خواتین ومرد حضرات کی آمد ورفت کا سلسلہ رہتا ہے، لیکن بندہ اس وقت پیدل چلنے کی صورت میں اپنے ساتھ چھڑی بھی لے لیتا ہے تاکہ بوقتِ ضرورت سہارے کے کام آئے اور اگر کوئی جانور وغیرہ حملہ آور ہو تو اس کے لئے بھی کارآمد ہو سکے، البتہ اگر بارش وغیرہ ہو تو کیونکہ راستہ میں پانی کیچڑ وغیرہ ہوتا ہے اس لیے خود گاڑی چلا کر مسجد جاتا ہوں۔

حضرت والا کے گاڑی چلانے کا انداز بھی بہت مہذب معلوم ہوتا ہے، بڑی متانت، ٹھہراؤ اور سنجیدگی کے انداز میں حضرت والا اپنی گاڑی (جس کو حضرت والا اوران کے اہلِ خانہ موٹر کار کے نام سے پکارتے

ہیں) چلاتے ہیں، بندہ نے خود حضرت والا کے گاڑی چلاتے وقت گاڑی میں ساتھ بیٹھ کر متعدد مرتبہ مسجد اور گھر میں آمد ورفت کی ہے، اور ہر مرتبہ حضرت والا کے گاڑی چلانے کے دوران بہت سکون محسوس ہوا، اور یہ احساس بھی نہ ہوا کہ میں کسی ایک جگہ سکون سے بیٹھا ہوا ہوں یا چلتی گاڑی میں بیٹھ کر کہیں جا رہا ہوں۔

سادگیِ طبع

حضرت والا کے مزاج میں فطرتاً سادگی واقع ہوئی ہے، تکلف اور تصنع سے آپ کو فطری طور پر ہی کراہیت ہے، آپ کے لباس، وضع قطع، بود و باش، چلنے پھرنے اور اٹھنے بیٹھنے کے تمام انداز اور طور طریقوں ہی سے ایسی سادگی ظاہر ہوتی ہے کہ گویا کہ آپ تکلف و تصنع سے واقف ہی نہیں، باوجود تنعم اور ہر طرح کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے فراخی حاصل ہونے کے آپ کو جیسا موٹا جھوٹا ملتا ہے، کھا پہن لیتے ہیں، بہت سے اُمور کی طرف تو آپ کو خود سے توجہ بھی نہیں ہوتی، اہلِ خانہ کی طرف سے توجہ دلانے کے بعد آپ کی توجہ ہوتی ہے، اور وہ بھی معمولی درجہ کی۔

بعض اوقات ایسا بھی دیکھنے میں آیا کہ آپ نے پیوند لگا کر کرتہ، پائجامہ وغیرہ کو اپنے ناپ کے مطابق بڑا کرا کر پہنا، اور ٹوپی، کرتہ پائجامہ وغیرہ بے خیالی میں الٹا پہن لیا اور آپ کو خود سے اس طرف توجہ نہ ہوئی، یہ سب آپ کی سادگیِ طبع کی علامت ہے۔

شہرت اور نام و نمود سے پرہیز

حضرت والا کو شہرت اور نام و نمود سے ہمیشہ نفرت رہی ہے، اسی لئے آپ اپنے نام کے ساتھ مختلف قسم کے روایتی القاب رکھنے اور استعمال کرنے سے بھی پرہیز فرماتے ہیں اور دوسروں کو بھی جا بجا اس سے منع فرماتے رہتے ہیں، اگر حضرت والا کو کسی کے بارے میں معلوم ہو جاتا ہے کہ اس نے حضرت والا کے نام کے ساتھ مختلف روایتی القاب و آداب لگائے ہیں تو حضرت والا کی طبیعت اس سے سخت محجوب ہوتی ہے۔

آج کل جو بہت سے علماء میں مختلف روایتی القاب چل گئے اور رواج پا گئے ہیں اور ان حضرات کے منصب وعہدوں کا دائرہ ان ہی القاب و آداب کے اردگرد گھومتا ہے، حضرت والا کو یہ طرزِ عمل پسند نہیں، آپ بار بار تواضع اور فنائیت کی اہمیت پر زور دیتے ہیں، اور اپنے احباب و متعلقین کو اس کی بار بار تلقین فرماتے ہیں، شاید ہی آپ کی کوئی مجلس ایسی ہوتی ہو جس میں کسی نہ کسی عنوان سے تواضع اور فنائیت کی

Iqra Ghufran

طرف توجہ نہ فرماتے ہوں۔

باوجودیکہ حضرت والا کو خاندانی طور پر نوابیت کا شرف حاصل ہے، لیکن آپ کے طرزِ عمل اور بود و باش سے نوابیت کے بجائے فنائیت ظاہر ہوتی ہے۔

تحمّل و بُردباری

حضرت والا کے مزاج میں تحمل و بردباری کا بھی عموماً مشاہدہ کیا جاتا ہے، آپ کو کبھی غیر معمولی غصہ کی حالت میں دیکھنا یاد نہیں پڑتا، اگر آپ کو کسی معقول وجہ سے غصہ بھی آتا ہے تو ایک تو وہ اعتدال پر ہوتا ہے، دوسرے الحمدللہ وہ بہت جلد کافور اور رُخصت ہو جاتا ہے جو حدیث کی رُو سے پسندیدہ خصلت ہے۔

حضرت والا اپنے عام و خاص خطاب میں بھی غصہ سے پرہیز اور حُسنِ اخلاق کی ہمیشہ سے تلقین فرماتے رہے ہیں اور غصہ کے بے جا استعمال کے نقصانات و نتائج سے آگاہ فرماتے رہے ہیں، اور اس سلسلہ میں مخاطبین کو حضرت والا اپنے شیخ حضرت مسیح الامت مولانا محمد مسیح اللہ خان صاحب جلال آبادی رحمہ اللہ کی ہدایات و تعلیمات سے آگاہ فرماتے رہتے ہیں۔

جود و سخا

حضرت والا نے اپنی حیثیت کے مطابق فی سبیل اللہ خرچ کرنے کا سلسلہ ہمیشہ جاری رکھا ہے، دینی مدارس سے لے کر غریب غرباء جن کی ضرورت کا آپ کو احساس ہوتا ہے آپ حسبِ حیثیت خرچ کرنے سے گریز نہیں فرماتے، یہاں تک کہ اپنے بعض ضرورت مند مریدین کی بھی آپ عطیہ و ہدیہ کے عنوان سے مدد فرماتے ہیں جبکہ آج کے دور میں کسی شیخ کا اپنے مریدین کو ہدیہ پیش کرنا بہت ہی قابلِ تعجب بات ہے، اور اس تعاون میں بھی آپ اپنی طرف سے اخفاء کا اہتمام فرماتے ہیں، عموماً لفافہ وغیرہ میں رقم رکھ کر دوسرے کی ضرورت پوری فرماتے ہیں، جس کی وجہ سے دیکھنے والوں کو یہ بھی معلوم نہیں ہو پاتا کہ خط وغیرہ دیا جا رہا ہے، یا کوئی رقم۔

اسی طرح فی سبیل اللہ دیگر خیر کے کاموں میں بھی حضرت والا اپنی وسعت و استعداد کے مطابق مختلف طریقوں سے ضرورت مندوں اور حاجت مندوں کی خدمت فرماتے رہتے ہیں۔

اس قسم کی چیزیں سب حضرت والا کے اخلاص اور جود و سخا کی علامت ہیں، اللہ تعالیٰ شرفِ قبولیت عطا فرمائیں، اور مزید ترقیات سے نوازیں۔

نظر کی حفاظت کا اہتمام

حضرت والا کو نظر کی حفاظت کا خاص اہتمام ہے، حضرت والا کا اسلام آباد میں جس جگہ قیام واقع ہے وہاں سے مسجد کچھ فاصلہ پر ہے اور مسجد بھی ایک مشہور مارکیٹ ''کوہسار'' کے کنارے پر واقع ہے، جہاں اکثر وبیشتر بے پردہ خواتین کی آمد ورفت کا سلسلہ جاری رہتا ہے، حضرت والا عموماً گھر سے باہر نماز باجماعت کی ادائیگی کی غرض سے ہی تشریف لاتے ہیں یا پھر کسی جگہ کسی اہم کام سے جانا ہوتو ان سب مواقع گھر سے باہر نکلتے وقت حضرت والا اپنی نظروں کی خاص حفاظت فرماتے ہیں اور عموماً اپنی نظروں کو نیچا رکھتے ہیں، بغیر کسی سخت ضرورت کے دائیں بائیں اور غیر معمولی سر اوپر اُٹھا کر نہیں دیکھتے، اور ایسے مقامات سے اس طرح گزر جاتے ہیں کہ گویا کہ آپ کو معلوم ہی نہیں کہ یہاں کیا کچھ ہورہا ہے؟

اکابرین اور بزرگانِ دین کا احترام اور تعظیم میں غلو سے پرہیز

حضرت والا اپنے بزرگانِ دین اور اکابرین عظام کا پورا پورا احترام فرماتے ہیں اور بزرگانِ دین اور اولیائے کرام کی شان میں بے احترامی اور گستاخی کو سخت ناپسند اور دنیا وآخرت کے اعتبار سے تباہ کن قرار دیتے ہیں، لیکن اسی کے ساتھ آپ کو اعتدال اور حدود کی رعایت کا بھی پورا پورا اہتمام ملحوظ رہتا ہے، جہاں حضرت والا کا نظریہ ایک طرف یہ ہے کہ آپ کو جو کچھ بھی ملا ہے وہ بزرگانِ دین اور اور اکابرین کی توجہات اور عنایات کی برکات ہیں، دوسری طرف آپ بزرگانِ دین اور اکابرِ ین عظام کے ساتھ ایسا نظریہ اور عقیدہ رکھنے کو بھی ایمان کے لئے سخت نقصان دہ قرار دیتے ہیں، جس سے غیر اللہ میں اللہ تعالیٰ کی کسی صفت کی نسبت کا شبہ یا شائبہ ہو، یا کسی ولی کو نبی کے برابر لاکھڑا کر دیا جائے، آپ کا فرمانا یہ ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات ہیں، اس کے بعد نبی کا درجہ ہے اور پھر ولی کا اور ولایت میں پھر مختلف درجے ہیں۔

حضرت والا کا یہ نظریہ وعقیدہ بالکل اسلام کے تقاضوں کے عین مطابق اور اہلِ سنت والجماعت کی تشریح کے عین موافق اور افراط وتفریط سے پاک ہے اس دور میں بعض فرقے تو اس لئے گمراہ ہوئے کہ انہوں نے نعوذ باللہ ولی کو نبی کا اور نبی کو اللہ کا درجہ دے دیا، اور بعض فرقے اس کے برخلاف اتنے نیچے اور پیچھے پہنچ گئے کہ انہوں نے انبیاء واولیاء کو بھی عام انسانوں کا درجہ دے کر ان کے ساتھ عام انسانوں والا سلوک برتا، یہ بھی گمراہ ہوئے، کچھ لوگ تو افراط کی وجہ سے گمراہ ہوئے اور کچھ تفریط کی وجہ سے (جاری ہے......)

اصلاحی بیان مفتی محمد رضوان

عقل مندوں کا حج

مورخہ ۱۰رشوال ۱۴۲۷ھ بروز جمعہ، نمازِ جمعہ سے قبل مسجد امیر معاویہ کوہاٹی بازار راولپنڈی میں حضرت مفتی محمد رضوان صاحب دامت برکاتہم نے جو خطاب فرمایا، اس کو مولانا محمد ناصر صاحب نے محفوظ اور نقل کیا، اُس کا ایک حصہ مفتی صاحب موصوف کی نظرِ ثانی و اصلاح کے بعد قارئین کے لئے ذیل میں پیش کیا جارہا ہے۔

اَلْحَمْدُلِلّٰہ ،اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُبِا للّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلاَ ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلاَنَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ وَصَفِیُّہٗ وَخَلِیْلُہٗ اَللّٰھُمَّ فَصَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِکْ عَلٰی ھٰذَاالنَّبِیِّ الْکَرِیْمِ وَالرَّسُوْلِ السَّنَدِ الْعَظِیْمِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ.

اَمَّا بَعْدُ !فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَجُّ اَشْھُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ. فَمَنْ فَرَضَ فِیْھِنَّ الْحَجَّ فَلا رَفَثَ وَلا فُسُوْقَ وَلا جِدَالَ فِی الْحَجِّ. و مَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَیْرٍ یَّعْلَمْہُ اللّٰہُ. وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَیْرَ الزَّادِ التَّقْوٰی وَاتَّقُوْنِ یٰٓاُولِی الْاَلْبَابِ(سورۃ بقرۃ آیۃ ۱۹۷)

صَدَقَ اللّٰہُ مَوْلاَنَا الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِکَ مِنَ الشَّاھِدِیْنَ وَالشَّاکِرِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ .

معزز حضرات! قرآن مجید کی جو آیت تلاوت کی گئی ہے اس میں حج سے متعلق مضمون بیان کیا گیا ہے۔ اس آیت کی روشنی میں چند باتیں عرض کی جاتی ہیں:

حج کے مہینے

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ. یعنی حج کے چند مشہور مہینے ہیں

اب کیونکہ شوال کا مہینہ شروع ہو چکا ہے، اور شوال اور ذیقعدہ کے پورے مہینے اور ذی الحجہ کے ابتدائی دن یہ اشہرِ حج یعنی حج کے مہینے ہیں، اور ذی الحجہ جو حج کا آخری مہینہ ہے، یہ اسلامی سال کا آخری مہینہ بھی ہے اور شاید عام لوگوں کو اس پر غور کرنے کا موقع کم ملتا ہو کہ ہمارے اسلامی سال کا ابتدائی مہینہ محرم ہے اور آخری مہینہ ذی الحجہ ہے اور اس مہینہ کا ذی الحجہ نام حج کی وجہ سے رکھا گیا ہے، کیونکہ اس مہینہ میں حج ہوتا ہے، ذی الحجہ کے معنیٰ ہیں حج والا مہینہ۔

بہرحال حج کے مہینوں کا آغاز شوال سے ہو جاتا ہے اگر کوئی احرام باندھنا چاہے، خواہ حجِ افراد کا یا حجِ تمتع کا یا حجِ قران کا تو شوال میں یا ذیقعدہ میں یا ذی الحجہ کے ابتدائی دنوں میں باندھ لے، شوال کا چاند نظر آنے سے پہلے حج کا احرام باندھنا منع ہے اور اگر کوئی حجِ تمتع یا حجِ قران کرنا چاہتا ہے اور اس کا احرام شوال کا مہینہ شروع ہونے سے پہلے باندھ لیتا ہے تو حجِ قران یا حجِ تمتع کی فضیلت اسے حاصل نہیں ہو سکتی کیونکہ حجِ قران نام ہے ایک ہی سال کے حج کے مہینوں میں، ایک ہی سفر میں، ایک ہی احرام میں عمرہ اور حج کو ادا کرنے کا اور حجِ تمتع نام ہے ایک ہی سال کے حج کے مہینوں میں اور ایک ہی سفر میں مگر الگ الگ احراموں میں عمرہ اور حج ادا کرنے کا، یعنی عمرہ الگ احرام میں کرے، اور حج الگ احرام میں کرے، تو حج کی ان دونوں قسموں میں سے کسی ایک کی فضیلت حاصل کرنے کے لئے بھی ضروری ہے کہ حج کے مہینے شروع ہونے کے بعد احرام باندھا جائے۔ آیت کے اس حصہ سے تو حج کے مہینوں کا علم ہوا۔

احرام کے بعد ان کاموں سے بچیں

آگے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ جس شخص نے ان مہینوں میں اپنے اوپر حج فرض کر لیا

یعنی اُس نے حج کی کسی بھی قسم کا احرام باندھ کر اپنے اوپر حج فرض کر لیا۔ تو

فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِى الْحَجِّ.

نہ تو کوئی فحش کام ہے نہ کوئی گناہ کا کام ہے اور نہ جھگڑا و نزاع ہے

یعنی حج کرنے والے کے لئے نہ تو کسی فحش اور بے حیائی کے کام کی گنجائش ہے اور نہ کسی گناہ کے کام کی گنجائش ہے اور نہ ہی لڑائی جھگڑے کی گنجائش ہے۔

احرام باندھنے کے بعد اپنی بیوی سے مباشرت اور اس کے دوسرے مقدمات ومتعلقات یہاں تک کہ اس سلسلہ میں بیوی کے ساتھ کھلی گفتگو کرنا بھی جائز نہیں، اگرچہ احرام سے پہلے یہ کام جائز تھے، اور اسی طریقے سے ایسے اور کام بھی ہیں جو اگرچہ پہلے تو جائز تھے مگر احرام کی حالت میں منع ہو گئے ہیں، مثلاً خشکی کا شکار کرنا، ناخن یا بال کاٹنا، خوشبو لگانا، مرد کو سلے ہوئے کپڑے پہننا اور مرد کو سر اور چہرے اور عورت کو صرف چہرے کو کپڑے سے ڈھانپنا اور جو چیزیں پہلے سے گناہ تھیں، اُن کو احرام کی حالت میں کرنا اور زیادہ گناہ ہے، اسی طریقے سے احرام باندھنے کے بعد لڑائی، جھگڑے میں مبتلا ہونا بھی خاص طور پر جائز نہیں۔ لہٰذا احرام میں داخل ہونے کے بعد ان سب کاموں سے بچنا چاہئے۔

حج کے دوران خیر کے کام کئے جائیں

اور آگے ارشاد فرمایا:

وَ مَا تَفۡعَلُوۡا مِنۡ خَيۡرٍ يَّعۡلَمۡهُ اللّٰهُ.

یعنی جو بھی تم خیر کا کام کرو گے، اللہ تعالیٰ اسے خوب جانتا ہے

اللہ تعالیٰ کے علم سے کوئی چھوٹا یا بڑا خیر کا کام ایسا نہیں ہے جو کہ مخفی ہو، اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے کہ کس نے کونسا خیر کا کام کیا ہے اور کس نے کون سا؟ کس نے خیر کا کام علانیہ انداز میں کیا ہے اور کس نے خفیہ انداز میں؟ تو خیر کا کام چھوٹا ہو یا بڑا، خفیہ ہو یا پوشیدہ ہو، ظاہری ہو یا باطنی اور چھپا ہوا ہو، اللہ تعالیٰ کے علم سے مخفی نہیں، سب اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے مطابق ہی اس کی جزاء عطا فرمائیں گے، ہم اگر ایک کام کو خیر کا سمجھ رہے ہیں مگر وہ اللہ کے نزدیک خیر کا نہیں اور اسی طرح ایک کام کو شر کا کام سمجھ رہے ہیں مگر وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک خیر کا ہے، تو اللہ تعالیٰ کو ان سب کا علم ہے، اس لئے اچھی طرح اپنی نیتوں اور عملوں کا جائزہ لے لینا چاہئے، اور اپنے ظاہر اور باطن کو حج کے دوران خاص اہتمام کے ساتھ درست کر لینا چاہئے۔ لہٰذا حج کے دوران خیر کے کام کرنے چاہئیں اور کوئی لمحہ بھی ضائع نہیں کرنا چاہئے۔

حاجی کے لئے بہترین توشہ تقویٰ ہے

اور اس کے بعد ارشاد فرمایا:

وَتَزَوَّدُوۡا فَاِنَّ خَيۡرَ الزَّادِ التَّقۡوٰی

کہ تم حج کے لئے توشہ لے لو اور بہترین توشہ تقویٰ کا توشہ ہے۔

سفر کے لئے جو آدمی کھانے پینے وغیرہ کی ضرورت کا سامان رکھتا ہے جو اس کے سفر میں گزر بسر کا کام دیتا ہے، ان سب سے بہترین توشہ اور آخرت کے سفر کا سامان انسان کے لئے تقویٰ اور پرہیز گاری ہے۔

تقویٰ عقل مندوں کا کام ہے

اور آگے ارشاد فرمایا:

وَاتَّقُوْنِ یٰٓاُولِی الْاَلْبَابِ یعنی مجھ سے ڈرتے رہو اے عقل مندو!

اس آیت کا آغاز تو حج کے مضمون سے ہوا تھا اور اختتام اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور تقویٰ اختیار کرنے کے حکم پر ہوا اور تقوے کا حکم بھی عقل مندوں کو خطاب کر کے دیا گیا۔

جس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ تقوے کو حج کے ساتھ بہت گہرا اور بڑا تعلق ہے، اور تقویٰ و پرہیز گاری کو اختیار کرنا ہر شخص کا کام نہیں بلکہ اس کے لئے عقل کی ضرورت ہے، بے عقل تقوے کی دولت سے محروم ہوتا ہے اور بغیر تقوے کے حج کامل نہیں ہوتا بلکہ دین بھی کامل نہیں ہوتا، لہٰذا حج کرنے والوں کو تقویٰ اور پرہیز گاری اختیار کرنے کی سخت ضرورت ہے اور اگر وہ ایسا نہیں کرتے تو کم عقل سمجھے جائیں گے۔

اس سے معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں وہی عقل مند ہے جس کا دین کامل ہو، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے یہاں تقوے کا حکم دے کر جو خطاب فرمایا وہ عقل مندوں کو فرمایا۔

قابلِ مبارک کام حج کو صحیح کرنا ہے

اب کیونکہ حج پر جانے والے تیاریاں کر رہے ہیں، مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد الحمدِللہ تعالیٰ پوری دنیا سے حج کرنے کے لئے ہر سال تشریف لے جاتی ہے، یہ ایک اچھی اور خوش آئند بات ہے لیکن مبارک اور خوش آئند ہونا صرف اتنی چیز پر موقوف نہیں کہ ایک بہت بڑی تعداد حج کر رہی ہو کیونکہ کوئی بھی عمل ہو اس عمل کو کرنے والوں کی تعداد کا صرف زیادہ ہونا کافی نہیں، بلکہ اس عمل کو صحیح طرح کرنا ضروری ہے، صرف تعداد کے زیادہ ہونے کو قابلِ مبارک قرار نہیں دیا جا سکتا، جب تک کہ حج کو صحیح ادا نہ کیا جائے۔
جو شخص حج صحیح طریقہ پر نہ کرے وہ مبارک باد کا مستحق نہیں۔

ہر سال بہت بڑی تعداد حج کے لئے جاتی ہے لیکن بہت بڑی تعداد ایسی ہوتی ہے جن کو کلمۂ طیبہ بھی نہیں آتا، کلمۂ طیبہ پڑھ کر آدمی ایمان میں داخل ہوتا ہے اور حج کر کے ایمان کو مکمل کرتا ہے، یعنی بڑھتے بڑھتے حج پر ایمان کی انتہاء ہو جاتی ہے، کلمۂ طیبہ سے ابتداء ہوتی ہے اور حج پر انتہاء ہوتی ہے تو کیسی قابلِ تعجب

بات ہے کہ ابھی ابتداء تو ہوئی نہیں اور انتہاء ہو چکی ہے؟

ابتداء ہو تو پھر چلتے چلتے انتہاء کی نوبت آئے لیکن ابتداء ہوئی نہیں، کلمۂ طیبہ آتا نہیں، ایمانیات کے بنیادی عقائد کا بھی علم نہیں تو پھر کامیابی کیسے ملے گی؟ جہاں حج کرنے اور اس کے لئے پیسے خرچ کرنے کا اتنا اہتمام ہوتا ہے، اس کو ٹھیک کرنے کا بھی اہتمام ہونا چاہئے۔

حج کا خول چڑھالینا کافی نہیں

جس طریقے سے اور بہت سے ہمارے اعمال اور عبادات ہیں کہ اُن میں حقیقت گُم ہو چکی ہے، روح اور جان نکل چکی ہے اور صرف ظاہری جسم اور ظاہری شکل وصورت اور ظاہری اعتبار سے ان کا خول خول باقی ہے، یہی حال حج کا بھی ہے کہ اس کی بھی صرف ظاہری صورت کو کافی سمجھ لیا گیا ہے کہ احرام باندھ لیا اور دوسروں کو دیکھا دیکھی اُلٹ سلٹ ارکان ادا کر لیے، حالانکہ اوپر کا خول بذاتِ خود مقصود نہیں ہوا کرتا بلکہ اندر کا مغز مقصود ہوا کرتا ہے، اسی کی حفاظت کے لئے خول ہوا کرتا ہے۔

جیسا کہ نماز کے بارے میں قرآن مجید میں فرمایا گیا:

اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ   کہ نماز کو میرے ذکر اور میری یاد کے لئے قائم کرو

اس سے معلوم ہوا کہ نماز سے مقصود اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا ہے، اور نماز کی مخصوص شکل میں اللہ کو یاد کرنا ہے، صرف ویسے ہی یاد کرنا کافی نہیں، اس سے وہ شبہ دور ہو گیا جو بعض لوگوں کو پیش آجاتا ہے کہ نماز سے جب مقصود اللہ کو یاد کرنا ہے تو ہم نماز کے بغیر بھی اللہ تعالیٰ کو یاد کر لیں تو ہمیں نماز کی ضرورت نہیں ہو گی۔

دیکھنا یہ پڑے گا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کو یاد کرنے کے لئے کوئی طریقہ بھی متعین کر دیا یا نہیں کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے جو عمل جس طریقہ سے مقرر کیا ہے اس طریقے سے اس کو بجالانا ضروری ہے، جس عمل کا جو طریقہ اللہ تعالیٰ نے مقرر کر دیا ہے، اس کو اسی طریقہ سے ادا کرنا ضروری ہے، لیکن ساتھ ساتھ یہ بھی یاد رکھ لینا ضروری ہے کہ صرف اس کے طریقے کو ہی مقصود بنا لینا کافی نہیں ہو گا کہ بس ہم ظاہری رکوع اور سجود کو مقصود بنالیں جیسا کہ آج کل ہم نے اسی کو مقصود بنا رکھا ہے اور نماز کا رنگ ہمارے اوپر نہیں چڑھتا، یہی حال حج کا بھی ہے، کہ اس کے ظاہری خول کو اور ظاہری طریقہ کو کہ جس طریقے سے دوسرے حج کرتے ہیں اسی طریقے سے دیکھا دیکھی ہم نے بھی کر لیا، جس طریقے سے دوسروں نے سفید چادریں احرام کی باندھ رکھی ہیں ہم نے بھی باندھ رکھی ہیں تو یہ تو ظاہر ہے اس کی حقیقت نہیں ہے لیکن ظاہر بھی بے کار نہیں

ہے ،اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا اور مقرر کیا ہوا ہے،تو حج کے ظاہری اعمال کے ساتھ ان کی حقیقت اوران کے مقصود کو بھی سمجھنا چاہئے ،اور عام لوگوں کی اندھی تقلید نہیں کرنی چاہیئے ،کیونکہ بہت سے لوگ حج کے دوران غلط کام کرتے ہیں،تو غلط کاموں میں ان کی تقلید کرنا بھی غلط ہے۔

حج کے سفر کو سیر وتفریح اور پکنک نہ بنایئے

فائدے دو قسم کے ہوتے ہیں،ایک فائدہ وہ ہے جو کہ کسی جسم کی شکل میں حاصل ہورہا ہو مثلاً پیسہ خرچ کیا کھانا حاصل ہوگیا، پیسہ خرچ کیا گاڑی حاصل ہوگئی ،اورایک وہ ہے کہ جسم کی شکل میں حاصل نہیں ہوتا تفریح کی شکل میں حاصل ہوتا ہے،تفریح کے لئے بھی انسان بہت سا پیسہ خرچ کرتا ہے تو حج میں یہ فائدہ بھی بہت سے لوگوں کے پیشِ نظر ہوتا ہے کہ سیر وتفریح ہوجائے گی ، پکنک والا تصور ذہن میں ہوتا ہے، پکنک اور سیر وتفریح کے جو مقاصد ہوتے ہیں اگر وہی مقاصد حج کے سفر میں بھی موجود ہیں، تو نام بدلنے سے حقیقت تو نہیں بدلے گی ،مقاصد اگر دونوں کے ایک ہیں تو پھر ایسی صورت میں حقیقت بھی دونوں کی ایک ہی ہے، دیکھئے جتنے لوگ بیٹھے ہوئے ہیں،سب کے الگ الگ نام ہیں لیکن حقیقت ساروں کی ایک ہی ہے یعنی انسان ہونا، نام بدلنے سے حقیقت نہیں بدلی،اسی طریقے سے اگر حج کرنے والوں کا مقصد یہی ہوجائے جو سیر وتفریح والوں کا ہوتا ہے کہ کہیں سوات چلے گئے ،مری چلے گئے ،تفریح کرکے چند دن بعد واپس آ گئے موسم دیکھا کہ وہاں کا یہاں سے مختلف تھا، اور وہاں کے حالات دیکھے،فضا دیکھی، گلی کوچے دیکھے،مختلف پارکوں، پہاڑوں کی زیارتیں کیں، اور کچھ خرید کرلے آئے ،دوست احباب کے لئے گفٹیں لے آئے وغیرہ وغیرہ،اگر ان ظاہری چیزوں کو ہی ہم مقصود بنالیں اور یہ تو سوچیں کہ تحفے اور گفٹیں کیسی آرہی اور جارہی ہیں، کیسے کیسے مقامات پر تفریح ہوئی ہے اور کن مقامات کی تفریح رہ گئی ہے لیکن یہ نہ سوچیں کہ جس مقصد کے لئے آنا ہوا تھا وہ مقصد حاصل بھی ہوا یا نہیں؟ حج کے ارکان اور مناسک بھی صحیح ادا ہوگئے یا نہیں ہوگئے، حج اس طریقے پر ادا ہوگیا یا نہیں کہ اس میں کوئی جنایت یا دم تو لازم نہیں آیا کیونکہ حج میں اگر کوئی جرم کردیا جائے اور دم لازم آجائے تو حج کا ہی دم نکل جاتا ہے حج بے دم ہوجاتا ہے۔مگر آج کل کے حجوں میں تو دم بدم لازم ہوتے رہتے ہیں اور دم دیتے ہوئے بھی دم نکلتا ہے،اس کی بھی کوشش کرتے ہیں کہ کوئی فتویٰ ایسا مل جائے کہ جرم تو ایسا کردیا کہ دم لازم ہوگیا لیکن اس سے بھی جان چھوٹ جائے ،تو پھر تو بے دم تو پہلے سے ہی تھا، کچھ تھوڑا بہت سانس چل رہا تھا، وہ بھی

جاتا رہا، تو لوگ دم لازم کرنے کے بعد دم دینے سے بھی بچتے ہیں اور کہتے ہیں کہ سب ٹھیک ہے مولویوں نے ویسے دین میں سختی کی ہوئی ہے، مثلاً کنکریاں مارنے کے لئے دوسروں کو دیدی جائیں اور اپنے آپ کو شرعی عذر بھی نہ ہو تو سمجھتے ہیں کہ کوئی حرج کی بات نہیں، کتنے تعجب کی بات ہے کہ اتنی دور سے سفر کر کے گئے ہیں اور پیسہ خرچ کر کے گئے ہیں، احرام بھی باندھا ہے، سارے مجاہدے کیے ہیں سب کچھ کیا ہے لیکن جیسے گئے تھے ویسے ہی واپس آ گئے؟ بلکہ اس سے بدتر حالت میں آئے کہ کتنے گناہ اور کتنے دم اپنے اوپر لازم کر لئے۔

تحفے تحائف لانا حج کے سفر کا مقصود نہیں

اگر کوئی کہے کہ ویسے تو نہیں آئے، خالی ہاتھ گئے تھے اور اتنے سارے تحفے اور گفٹیں لے کر آئے ہیں، تو ویسے کے ویسے کہاں آئے؟

تو یاد رکھو یہ مقصود نہیں ہے مقصود کے اعتبار سے بات ہو رہی ہے، مقصود یہ نہیں ہے کہ گفٹیں اور تحفے تحائف لے آئیں، یہ چیزیں تو کسی اور جگہ جا کر بھی حاصل ہو جاتی ہیں پھر حرمین شریفین جیسے مبارک مقامات کی تخصیص اور خصوصیت کیا ہوئی؟ یہ چیزیں تو کسی اور مقام سے بھی جا کر انسان لا سکتا ہے، حج کے سفر کو تو ایک خاص امتیازی شان اور شوکت حاصل ہے، وہ جب تک حاصل نہ ہو تو اس میں اور دوسری چیزوں میں کیا فرق رہ جاتا ہے؟

حج کی اصل تیاری کیا ہے؟

تو جو لوگ حج کا ارادہ رکھتے ہیں، اس سال یا آئندہ سال اور ہر مسلمان کو ہی ارادہ رکھنا چاہئے، اچھا ارادہ ہے، کوئی برا ارادہ نہیں لیکن اس کے لئے فکرِ خاص اور تیاریِ خاص کی ضرورت ہے، مگر آج کل حج کی تیاری یہ سمجھی جاتی ہے کہ دو احرام لے لیں گے، ایک بیگ لے لیں گے اور ایک پانی کے لئے بوتل لے لیں گے اور چھوٹی موٹی دوسری چیزیں مثلاً ہوائی چپل لے لیں گے، آج کل تو ان چند چیزوں کا نام ہی حج اور عمرے کا سامان رکھ دیا ہے، اور ان چیزوں کے لینے کی تو ہر ایک کو فکر ہوتی ہے، مگر حج کس طریقہ سے کرنا ہے؟ اور اس کا صحیح طریقہ کیا ہے؟ اس کے تقاضے کیا ہیں؟ اس کو حج کی تیاری نہیں سمجھا جاتا، حالانکہ حج کی اصل تیاری یہی ہے۔

عقل مندوں کا حج وہی ہے جس میں تقویٰ ہو، ﴿بقیہ صفحہ ۹۰ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مقالات ومضامین عبدالواحد قیصرانی

تقلید کے مختلف درجات

تقلید کرنے والے کے لحاظ سے تقلید کے بھی مختلف درجات ہوتے ہیں، اور پھران درجات کے احکام بھی جدا جدا ہیں، جس میں فرق نہ کرنے کی بناء پر بہت سی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں، اور طرح طرح کے شبہات جنم لیتے ہیں، اس بحث کو شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے بڑی ضبط اور تفصیل کے ساتھ تحریر فرمایا ہے، ذیل میں حضرت ہی کے الفاظ میں اسے ملاحظہ فرمائیں:

(۱)......عوام کی تقلید

تقلید کا سب سے پہلا درجہ ''عوام کی تقلید'' کا ہے، یہاں ''عوام'' سے ہماری مراد مندرجہ ذیل قسم کے حضرات ہیں (۱) وہ حضرات جو عربی زبان اور اسلامی علوم سے بالکل ناواقف ہوں، خواہ دوسرے فنون میں وہ کتنے ہی تعلیم یافتہ اور ماہر و محقق ہوں (۲) وہ حضرات جو عربی زبان جانتے اور عربی کتابیں سمجھ سکتے ہوں، لیکن انہوں نے تفسیر، حدیث، فقہ اور متعلقہ دینی علوم کو باقاعدہ اساتذہ سے نہ پڑھا ہو (۳) وہ حضرات جو رسمی طور پر اسلامی علوم سے فارغ التحصیل ہوں، لیکن تفسیر، حدیث، فقہ اور ان کے اصولوں میں اچھی استعداد اور بصیرت پیدا نہ ہوئی ہو۔

یہ تینوں قسم کے حضرات تقلید کے معاملے میں ''عوام'' ہی کی صف میں شمار ہوں گے، اور تینوں کا حکم ایک ہے۔

اس قسم کے عوام کو ''تقلیدِ محض'' کے سوا چارہ نہیں، کیونکہ ان میں اتنی استعداد اور صلاحیت نہیں ہے کہ وہ براہِ راست کتاب وسنت کو سمجھ سکیں، یا اس کے متعارض دلائل میں تطبیق و ترجیح کا فیصلہ کرسکیں، لہٰذا احکامِ شریعت پر عمل کرنے کے لئے ان کے پاس اس کے سوا کوئی راستہ نہیں کہ وہ کسی مجتہد کا دامن پکڑیں اور اس سے مسائلِ شریعت معلوم کریں، چنانچہ علامہ خطیب بغدادی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

امامن یسوغ له التقلیدفهو العامی الذی لایعرف طرق الاحکام الشرعیة فیجوز له ان یقلد عالماویعمل بقول............ولانه لیس من اهل الاجتهاد فکان فرضه التقلید کتقلید الاعمیٰ فی القبلة فانه لمالم یکن معه الة الاجتهاد فی القبلة کان

Idara Ghufran

علیه تقلید البصیر فیها(الفصیه و المتفقه للخطیب البغداری ج۶۸)

ترجمہ: رہی یہ بات کی تقلید کس کے لئے جائز ہے؟ سووہ عامی شخص ہے جو احکام شرعیہ کے طریقوں سے واقف نہیں، لہٰذا اس کے لئے جائز ہے کہ وہ کسی عالم کی تقلید کرے اور اس کے قول پر عمل پیرا ہو...... (آگے قرآن وسنت سے اس کی دلیلیں بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں) نیز اس لئے کہ وہ (عام آدمی) اجتہاد کا اہل نہیں ہے، لہٰذا اس کا فرض یہ ہے کہ وہ بالکل اس طرح تقلید کرے جیسے ایک نابینا قبلے کے معاملے میں کسی آنکھ والے کی تقلید کرتا ہے، اس لئے کہ جب اس کے پاس کوئی ایسا ذریعہ نہیں ہے جس سے وہ اپنی ذاتی کوشش کے ذریعہ قبلے کا رخ معلوم کر سکے تو اس پر واجب ہے کہ کسی آنکھ والے کی تقلید کرے‘‘

اس درجے کے مقلد کا کام یہ نہیں ہے کہ وہ دلائل کی بحث میں الجھے، اور یہ دیکھنے کی کوشش کرے کہ کون سے فقیہہ ومجتہد کی دلیل زیادہ راجح ہے؟ اس کا کام صرف یہ ہے کہ وہ کسی مجتہد کو متعین کرکے ہر معاملے میں اسی کے قول پر اعتماد کرتا رہے، کیونکہ اس کے اندر اتنی استعداد موجود نہیں ہے کہ وہ دلائل کے راجح ومرجوح ہونے کا فیصلہ کر سکے، بلکہ ایسے شخص کو اگر اتفاقاً کوئی حدیث ایسی نظر آجائے جو بظاہر اس کے امام مجتہد کے مسلک کے خلاف معلوم ہوتی ہو تب بھی اس کا فریضہ یہ ہے کہ وہ اپنے امام ومجتہد کے مسلک پر عمل کرے، اور حدیث کے بارے میں یہ اعتقاد رکھے کہ اس کا صحیح مطلب میں نہیں سمجھ سکا، یا یہ کہ امام مجتہد کے پاس اس کے معارض کوئی قوی دلیل ہوگی۔

بظاہر یہ بات عجیب معلوم ہوتی ہے کہ مجتہد کے مسلک کو قبول کرلیا جائے اور حدیث میں تاویل کا راستہ اختیار کیا جائے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ جس درجے کے مقلد کا بیان ہو رہا ہے اس کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے، اور اگر ایسے مقلد کو یہ اختیار دے دیا جائے کہ وہ کوئی حدیث اپنے امام کے مسلک کے خلاف پاکر امام کے مسلک کو چھوڑ سکتا ہے، تو اس کا نتیجہ شدید افراتفری اور سنگین گمراہی کے سوا کچھ نہیں ہوگا، اس لئے کہ قرآن وحدیث سے مسائل کا استنباط ایک ایسا وسیع وعمیق فن ہے کہ اس میں عمریں کھپا کر بھی ہر شخص اس پر عبور حاصل نہیں کر سکتا، بسا اوقات ایک حدیث کے ظاہری الفاظ سے ایک مفہوم نکلتا ہے، لیکن قرآن وسنت کے دوسرے دلائل کی روشنی میں اس کا بالکل دوسرا مفہوم ثابت ہوتا ہے، اب اگر ایک عام آدمی صرف ایک حدیث کے ظاہری مفہوم کو دیکھ کر اس پر عمل کرلے تو اس سے طرح طرح کی

گمراہیاں پیدا ہوتی ہیں، خود راقم الحروف کا ذاتی تجربہ ہے کہ قرآن وسنت کے علوم میں گہری استعداد کے بغیر جن لوگوں نے براہِ راست احادیث کا مطالعہ کر کے ان پر عمل کی کوشش کی ہے وہ غلط فہمیوں کا شکار ہوتے ہوتے پرلے درجے کی گمراہیوں میں مبتلا ہوگئے ہیں۔

راقم الحروم کے ایک گریجویٹ دوست مطالعہ کے شوقین تھے، اور انہیں بطورِ خاص احادیث کے مطالعہ کا شوق تھا، اور ساتھ ہی یہ بات بھی ان کے دماغ میں سمائی ہوئی تھی کہ اگر چہ میں حنفی ہوں، لیکن اگر حنفی مسلک کی کوئی بات مجھے حدیث کے خلاف معلوم ہوئی تو میں اسے ترک کردوں گا، چنانچہ ایک روز انہوں نے احقر کی موجودگی میں ایک صاحب کو یہ مسئلہ بتایا کہ ''ریح خارج ہونے سے اس وقت تک وضو نہیں ٹوٹتا جب تک ریح کی بدبو محسوس نہ ہو، یا آواز نہ سنائی دے'' میں سمجھ گیا کہ وہ بے چارے اس غلط فہمی میں کہاں سے مبتلا ہوئے ہیں؟ میں نے ہر چند انہیں سمجھانے کی کوشش کی، لیکن شروع میں انہیں اس بات پر اصرار رہا کہ یہ بات میں نے ترمذی کی ایک حدیث میں دیکھی ہے، اس لئے میں تمہارے کہنے کی بناء پر حدیث کو نہیں چھوڑ سکتا، آخر جب میں نے تفصیل کے ساتھ حدیث کا مطلب سمجھایا اور حقیقت واضح کی تب انہوں نے بتایا کہ میں تو عرصہ دراز سے اس پر عمل کرتا آ رہا ہوں اور نہ جانے کتنی نمازیں میں نے اس طرح پڑھیں ہیں کہ آواز اور بو نہ ہونے کی وجہ سے میں سمجھتا رہا کہ میرا وضو نہیں ٹوٹا، دراصل وہ اس سنگین غلط فہمی میں اس لئے مبتلا ہوئے کہ انہوں نے جامع ترمذی میں یہ حدیث دیکھی کہ:

عن ابی هريرة رضی الله عنه ان رسول الله ﷺ قال لا وضوء الا من صوت او ريح (ترمذی ج ۱ ص ۳۱)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وضو اس وقت واجب ہے جب کہ یا آواز ہو یا بدبو ہو''

اسی کے ساتھ جامع ترمذی میں یہ حدیث بھی انہیں نظر پڑی کہ:

اذا كان احدكم فی المسجد فوجد ريحا بين اليتيه فلا يخرج حتى يسمع صوتا او يجد ريحا (ترمذی ج ۱ ص ۳۱)

ترجمہ: اگر تم میں سے کوئی شخص مسجد میں ہو اور اسے اپنے سرینوں کے درمیان ہوا محسوس ہو تو وہ اس وقت تک مسجد سے (بہ ارادہ وضو) نہ نکلے جب تک اس نے (خروجِ ریح کی) آواز نہ سنی ہو یا اس کی بدبو محسوس نہ کی ہو۔

اس حدیث کے ظاہری الفاظ سے انہوں نے یہی سمجھا کہ وضوٹوٹنے کا مدار آواز یا بو پر ہے، حالانکہ تمام فقہائے امت اس پر متفق ہیں کہ اس حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد ان وہمی قسم کے لوگوں کے لئے ہے جنہیں خواہ مخواہ وضوٹوٹنے کا شک ہوجاتا ہے، اور مقصد یہ ہے کہ جب تک خروجِ ریح کا ایسا یقین حاصل نہ ہوجائے جیسا آواز سننے یا بو محسوس کرنے سے حاصل ہوتا ہے، اس وقت تک وضو نہیں ٹوٹتا، چنانچہ دوسری روایات میں حدیث کا یہ مطلب صاف ہوگیا ہے، مثلاً ابوداؤ د میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہی کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

اذا کان احدکم فی الصلاۃ فوجد حرکۃ فی دبرہ احدث اولم یحدث فاشکل علیہ فلاینصرف حتی یسمع صوتا اویجدریحا (ابوداؤد ج ۱ ص ۲۴)

ترجمہ: اگر تم میں سے کوئی شخص نماز میں ہو، اور اسے اپنی پشت میں حرکت محسوس ہو جس سے اس کو یہ شبہ ہونے لگے کہ ریح خارج ہوئی ہے یا نہیں تو اس کو چاہئے کہ اس وقت تک وہ وہاں سے نہ ہٹے جب تک آواز نہ سن لے یا بو نہ پالے۔

نیز ابوداؤد ہی میں حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ نے واضح فرمادیا ہے کہ یہ جواب آپ ﷺ نے ایک ایسے شخص کو دیا تھا کہ جو اس معاملے میں اوہام ووساوس کا مریض تھا، لیکن حدیث کے مختلف طرق اور الفاظ کو جمع کرکے ان سے کسی نتیجہ تک وہی شخص پہنچ سکتا ہے جو علمِ حدیث کا ماہر ہو، محض ایک کتاب میں کوئی حدیث یا اس کا ترجمہ دیکھ کر تو انسان اسی گمراہی اور غلط فہمی میں مبتلا ہوگا جس میں وہ صاحب مبتلا ہوئے تھے (تقلید کی شرعی حیثیت ص ۸۵ تا ۹۰)

(جاری ہے............)

بسلسلہ: صحابہ کے سچے قصے

انیس احمد حنیف

صحابیٔ رسول حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ

ہے حسن شناسی کے لئے دِل کی ضرورت آنکھیں تو کراتی ہیں فقط رنگ کی پہچان
انسان کا خاصہ ہے یہ رکھتا ہے عقیدت احکام کی تعمیل میں یکتا ہیں فرشتے
جیتے ہیں وہی صرف ، جو کرتے ہیں محبت احساس ہے جینے کا ہر اک نفس میں لیکن

کچھ باتیں دلوں میں چھپی ہوتی ہیں اُن کا اظہار نہ بھی کیا جائے تو پالی جاتی ہیں......دردِ مشترک رکھنے والے ایک دوسرے کے احساسات سے اظہار کے بغیر بھی واقف ہوا ہی کرتے ہیں......آپ بھی اگر اپنے دل کو ٹٹولیں، اسے کھنگالیں بلکہ چھان ماریں تو آپ کو بھی اپنے دل کی اس چھپی خواہش کا اندازہ ہو جائے گا...... بات بہت بڑی ہے...... بہت ہی بڑی......لیکن خواہش کی بات ہے......اور خواہش تو کچھ بھی ہو سکتی ہے کہ......کاش ...... میں بھی اُن خوش نصیبوں میں شامل ہوتا جنہوں نے محبوبِ کائنات، آقائے دو جہاں، نبی اکرم ﷺ کو حالتِ ایمان واطاعت میں پایا اور ایمان واطاعت ہی کے بلند ترین درجات کے ساتھ اس دنیا سے رخصت ہو گئے......گمان تو کیجئے......آپ جس سے سب سے زیادہ محبت کرتے ہیں کیا اس سے بھی زیادہ محبت واکرام نہ کرتے نبی اکرم ﷺ کا...... یقیناً کرتے ......صرف چند لمحے تصور کر لیجئے آپ کو خود اندازہ ہو جائے گا اپنی محبت کے معیار کا ......قربان جائیے اللہ تعالیٰ کے جود و کرم اور احسانات وانعامات کے جو وہ اپنے بندوں پر کرتے ہیں......جیسے معیار کے فرق کے ساتھ ایمان کا وجود ہم میں اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں مشترک ہے ایسے ہی ظاہر کی آنکھوں سے جمالِ رسولِ اکرم ﷺ کے دیدار کا نہ ہونا بھی اللہ تعالیٰ نے ہم میں اور بعض صحابہ میں مشترک فرما دیا سبحان اللہ (چہ نسبت خاک را با عالم پاک......)

انہی میں ایک معتبر ترین نام صحابیٔ رسول حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کا ہے......

راہِ محبت چلنے والو! آنکھیں ہونا شرط نہیں عشق کی راہیں دل والوں پر خود ہی کھل کھل جاتی ہیں

حضرت انس رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ کے پاس حضرت جبریل امین علیہ السلام تشریف لائے، حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ بھی اس وقت حاضرِ خدمت تھے، حضرت جبریل علیہ السلام نے ان سے

پوچھا کہ آپ کی نظر کب گئی، انہوں نے جواب دیا بچپن میں، اس پر حضرت جبریل امین علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ جب میں اپنے بندے کی آنکھ لیتا ہوں تو اس کے بدلے سوائے جنت کے اور کوئی جزا نہیں پاتا۔

کیوں پھرتے ہو غیر کے پیچھے، چھوڑ کے ہم کو نادانو! کون تمہاری قربانی کی دیتا ہے ہم جیسی قیمت

قرآنِ کریم میں سترھویں پارے میں سورہ الحج (مدنی سورہ) کی آیت نمبر ۴۶ کے آخر میں ارشادِ الٰہی ہے

فَاِنَّهَا لَا تَعۡمَى الۡاَبۡصَارُ وَلٰكِنۡ تَعۡمَى الۡقُلُوۡبُ الَّتِىۡ فِى الصُّدُوۡرِ

سو کچھ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں، پر اندھے ہو جاتے ہیں دل جو سینوں میں ہیں

حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کا معاملہ اس کے بالکل برخلاف تھا کہ آپ رضی اللہ عنہ ظاہری آنکھوں کی بصارت سے محروم تھے لیکن دل کے بینا تھے...... آپ ابتدائی زمانے میں اسلام لائے اور نبی کریم ﷺ کے حکم ہجرت کے بعد لیکن آپ ﷺ کی ہجرت سے بھی پہلے مدینہ منورہ میں ہجرت کر کے تشریف لے آئے، حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ بھی نبی کریم ﷺ کے موذن تھے...... اللہ تعالیٰ کے یہاں اخلاص کی بڑی قدر و قیمت ہے...... حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کا اخلاص اللہ تعالیٰ کے یہاں کس قدر مقبول اور پسندیدہ تھا اس کا اندازہ آپ رضی اللہ عنہ کے زندگی کے ان حالات و واقعات سے بھی ہوتا ہے جن کا تذکرہ ہم ابھی کرنے چلے ہیں، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں بھی اپنے مقبول اور مخلص بندوں کے صدقے اخلاص کی دولت نصیب فرمائیں (آمین ثم آمین)

رسول اللہ ﷺ کو تبلیغِ اسلام اور اس کی مقبولیت سے بہت ہی شغف تھا، زمانۂ جاہلیت میں یہ عام دستور تھا کہ چھوٹے آدمی بڑوں کے کہنے میں ہوتے تھے اور کمزور اور ضعیف لوگ اپنے سرداروں اور متکبرین کے کہنے پر چلتے تھے، چونکہ سرداروں کا اثر عام لوگوں پر پڑتا تھا اس لئے نبی کریم ﷺ کو اس کی فکر زیادہ رہتی تھی کہ قریش کے سردار اور بڑے بڑے آدمی اسلام قبول کرلیں تو عوام کا اسلام میں داخل ہونا اسباب کے درجے میں آسان ہو جائے گا...... انہی باتوں کی وجہ سے ایک مرتبہ آپ ﷺ قریش کے سرداروں کو اسلام کی خوبیاں سمجھا رہے تھے اور آپ ﷺ نے ان کو اپنی جانب متوجہ کر رکھا تھا عتبہ بن ربیعہ، ابوجہل بن ہشام اور نبی کریم ﷺ کے چچا حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ (جو اس وقت تک حلقۂ اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے) سب آپ ﷺ کی طرف متوجہ ہو کر آپ کی گفتگو سن رہے تھے، مجلس گرم تھی

اور کفار کے سرداروں کو دینِ اسلام کی تبلیغ کا اہم فریضہ وقت کے نبی، خاتم الانبیاء ﷺ کی طرف سے بہ نفسِ نفیس ادا ہو رہا تھا، بھلا ایسے نازک وقت میں اس اہم ترین مشغولیت سے بڑا اور کیا کام ہو سکتا تھا...... اتنے میں حضرت عبداللہ بن شریح بن مالک بن ربیعہ زہری تشریف لائے (یہی حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے نام سے پہچانے جاتے ہیں) اور عرض کی، یا رسول اللہ ﷺ مجھے فلاں فلاں سورت بتائیے میں پوچھتے پوچھتے یہاں پہنچا ہوں...... عام سی بات ہے یہ تو ہر وقت کے حاضر باش صحابی تھے کسی بھی وقت پوچھ سکتے تھے لیکن یہ سردارانِ قریش تو ہر وقت دین کی بات سننے کے لئے یوں متوجہ نہیں ہوتے تھے...... پھر اس لمحے اگر پوچھنے والے کو انتظار کروایا جاتا تو یہ امر انہیں آدابِ مجلس سکھانے کا ایک حصہ ہو سکتا تھا......اور بے شک کفر و شرک بڑا گناہ ہے اس سے بچانے کی فکر زیادہ اہم ہے بہ نسبت اس کے کہ کسی فروعی مسئلے کی تعلیم ہو پس آپ ﷺ نے انہیں انتظار کرنے کو کہا اور پھر انہی کفار کی طرف متوجہ ہو گئے، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کچھ دیر تو خاموش رہے اور پھر وہی سوال دہرانے لگے ان کے یوں بار بار کے اصرار سے نبی کریم ﷺ کو ناگواری ہوئی ......لیکن اللہ تعالیٰ اپنے پیارے بندوں کے ایک ایک اشارۂ ابرو کو بھی اپنی چاہت کے خلاف ہونا پسند نہیں فرماتے......(اللہ تعالیٰ اپنے پیاروں کے صدقے میں ہمیں بھی اپنی محبت بھری اطاعت نصیب فرمائیں......آمین) جب آپ ﷺ اس مجلس سے اٹھ کر جانے لگے تو وحی کے آثار نمودار ہو گئے اور آپ ﷺ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آنے لگی

عَبَسَ وَتَوَلّٰی (۱) اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰی (۲) وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰی (۳) اَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰی (سورہ عبس آیت ۴)

ترجمہ ”پیغمبر اس بات پر چیں بجبیں ہوئے اور منہ پھیر لیا کہ اُن کے پاس ایک نابینا آیا اور آپ کو کیا خبر شاید وہ سنور جاتا یا وہ کوئی نصیحت کی بات قبول کر لیتا سو نصیحت اُس کو نفع دیتی“

ہم بھلا کیا محسوس کریں اُن کیفیات کو، جو ہمارے نبی ﷺ پر اس وحی کے فوراً بعد وارد ہوئی ہوں گی...... شاید محبت کرنے والے کچھ رمز پالیں تو پالیں......البتہ یہ ضرور ہوا کہ اس کے بعد سے حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ جب بھی آپ ﷺ کے پاس آتے آپ ﷺ ان کی بڑی خاطر داری فرمایا کرتے بلکہ نبوت کے گھرانے میں آپ رضی اللہ عنہ کی قدر ہی بڑھ گئی ......حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا (اللہ تعالیٰ تمام امہات المومنین کے صدقے اس امت کی تمام خواتین کی حفاظت فرمائیں اور ہدایت و عافیت والا معاملہ فرمائیں

آمین) آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لیموں اور شہد کھلایا کرتی تھیں اور فرماتی تھیں کہ نزولِ آیت کے بعد یہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کا روزینہ تھا۔

تقریباً تیرہ غزوات میں نبی کریم ﷺ انہیں مدینہ منورہ میں اپنا جانشین بنا کر گئے اور آپ رضی اللہ عنہ نمازوں میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی امامت فرمایا کرتے تھے.....غزوہ احد، غزوہ خندق اور حدیبیہ کے مواقع پر بھی نبی کریم ﷺ انہی کو مدینہ منورہ میں اپنا جانشین بنا کر گئے تھے..... بے شک اللہ تعالیٰ کے یہاں ظاہری آنکھوں کی نسبت دل کی آنکھوں کی زیادہ قدر ہے

خود کو کیسے میں ایسا بناتا مگر　　　اُس نے مجھ پر کرم بے تحاشا کیا
دل دیا، دل میں اپنی محبت بھری　　　اور پھر مجھ کو اپنے لئے چُن لیا

گیارہ برس کی عمر میں اسلام قبول کرنے والے صحابیٔ رسول کاتبِ وحی حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پہلو میں تھا، آپ ﷺ پر سکون طاری ہوا (نزولِ وحی کے وقت نبی کریم ﷺ کی ایک خاص کیفیت ہو جاتی تھی جسے عام طور سے صحابہ کرام پہچان لیا کرتے تھے......) حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کی ران میری ران پر گر پڑی میں نے کوئی چیز رسول اللہ ﷺ کی ران سے زیادہ گراں نہیں پائی جب یہ حالت جاتی رہی تو فرمایا کہ اے زید اسے لکھ لو:

لَایَسۡتَوِی الۡقَاعِدُوۡنَ مِنَ الۡمُومِنِیۡنَ وَالۡمُجَاهِدُوۡنَ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ

ترجمہ: برابر نہیں (درجے میں) پیچھے بیٹھ رہنے والے ایمان والوں میں سے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے۔

ابنِ ام مکتوم رضی اللہ عنہ جو نابینا تھے انہوں نے مجاہدین کی فضیلت سُنی تو کھڑے ہو گئے اور عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ! اس کے ساتھ کیا معاملہ ہوگا جو جہاد کی طاقت نہیں رکھتا......ابھی ان کی بات ختم بھی نہ ہوئی تھی کہ رسول اللہ ﷺ پر پھر سکون طاری ہوا، آپ ﷺ کی ران میری ران پر گر پڑی، اور میں نے ویسی ہی گرانی محسوس کی جیسی پہلے محسوس کی تھی جب یہ حالت جاتی رہی تو آپ ﷺ نے فرمایا، اے زید پڑھو ، حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے پڑھا:

لَایَسۡتَوِی الۡقَاعِدُوۡنَ مِنَ الۡمُومِنِیۡنَ

ترجمہ: برابر نہیں بیٹھ رہنے والے مسلمان۔

Idara Ghufran

ابھی اتنا ہی پڑھا تھا کہ ارشاد ہوا:

غَيْرَ أُولِي الضَّرَرِ ترجمہ: جن کو کوئی عذر نہیں۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تنہا اسی حصۂ آیت کو نازل فرمایا (اور یوں یہ بعد میں نازل ہونے والا حصہ اُس پہلے سے نازل شدہ آیت کے درمیان میں جوڑ دیا گیا)

بے شک برگزیدہ ہیں وہ ہستیاں جن کے سوالوں کا جواب دینے کے لئے اللہ تعالیٰ اپنا کلام اپنے پیغمبر ﷺ پر نازل فرمایا کرتے تھے۔

آگ دل میں ہمارے جو بھڑکائی ہے ان کی اپنی اداؤں نے سلگائی ہے
اُن کو پانے کی خواہش بھی اُن سے ملی یہ بھی اپنی اُدھر سے پذیرائی ہے

آپ رضی اللہ عنہ نابینا ہونے کے باوجود کبھی کبھی جنگ میں شریک ہوتے تھے اور لوگوں سے کہتے تھے کہ مجھ کو علم دے کر دونوں صفوں کے درمیان کھڑا کردو، میں نابینا ہوں اس لئے بھاگنے کا کوئی خطرہ نہیں ہے......

سبحان اللہ یہی وہ اخلاص اور للّٰہیت کا جذبہ تھا جس نے رضائے الٰہی کو اپنی طرف متوجہ کرلیا تھا

آپ رضی اللہ عنہ نابینا بھی تھے، گھر بھی مسجد سے دور تھا، راستے میں جھاڑیاں وغیرہ بھی تھیں جن کی وجہ سے گزرنے میں یقیناً مشکل ہوتی ہوگی، پھر کوئی راہ نما بھی نہیں تھا جو ہاتھ پکڑ کر مسجد لے آتا اور واپس گھر چھوڑ جاتا ان تمام باتوں کے باوجود آپ رضی اللہ عنہ مسجد ہی میں نماز پڑھتے تھے ایک مرتبہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ سوال دربارِ رسالت میں پیش بھی فرمایا کہ میرا گھر بھی دور ہے اور نظر سے بھی معذور ہوں لیکن اذان سنتا ہوں اس پر ارشادِ عالی ہوا کہ اگر اذان سنتے ہو تو اس کا جواب دو، خواہ سُرین کے بل ہی کیوں نہ چلنا پڑے، یا فرمایا کہ گھٹنوں کے بل ہی کیوں نہ چلنا پڑے چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ اسی حالت میں چھڑی کے سہارے ٹٹولتے ٹٹولتے مسجد آتے تھے، بعد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانے میں انہیں رہنما دیا تھا ......ذرا سوچئے کہ صحابئ رسول ہیں، اور وہ بھی اس درجے کے کہ قرآن میں ان کا ذکر ہے، اور نابینا ہیں کہ راستہ دیکھ بھی نہیں سکتے، پھر راستہ بھی صاف نہیں بلکہ جھاڑیوں والا ہے، گھر بھی مسجد سے دور ہے لیکن باوجود ان تمام باتوں کے مسجد کی جماعت سے معذور قرار نہیں دیئے جارہے...... پھر بھلا ہمارے اور آپ کے لئے مسجد کی جماعت چھوڑنے کا کیا جواز باقی رہتا ہے......اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہر نماز مسجد میں جماعت کے ساتھ پڑھنے والا بنادیں (آمین)

ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے والد دوسرے خلیفۂ راشد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم سے جب

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ (جنہیں اسلام کی راہ میں سب سے پہلا تیر چلانے کا اعزاز بھی حاصل ہے) عراق عرب کی تسخیر کے لئے روانہ ہوئے تو حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ بھی لشکر اسلام میں شامل ہوگئے جنگ قادسیہ میں زرہ بکتر پہنے اسلامی علم اُٹھائے مجاہدین کی صفوں میں شامل تھے

تیرے دھیان سے غافل رہ کر اک پل چین نہ پاؤں — بن آنکھوں کے دیکھوں تجھ کو تجھ پر واری جاؤں
تیری راہ میں کٹ مر جاؤں، اپنا خون بہاؤں — بس اک خواہش ہے اب دل میں، جانے کب ہو پوری

لڑائی زوروں پر ہوئی تو مسلمان اور ایرانی ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہوگئے اس افراتفری میں حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آخری خواہش راہِ حق میں کٹ مرنے کی بھی پوری ہوگئی۔

اِنَّالِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن

حج وعمرہ تربیتی کورس

حج وعمرہ کے سفر پر جانے والے حضرات کو مطلع کیا جاتا ہے کہ حسبِ سابق اس سال بھی مفتی محمد رضوان صاحب کی زیرنگرانی ،ادارہ غفران ٹرسٹ کے زیرِ انتظام حج وعمرہ تربیتی کورس منعقد ہو رہا ہے۔جس میں انشاءاللہ تعالیٰ اہم احکام ومسائل اور آسان طریقۂ حج وعمرہ کی تعلیم وتربیت دی جائے گی۔خواتین کے لئے پردہ کا معقول انتظام ہوگا۔عازمینِ حج وعمرہ شرکت فرما کر مستفید ہوں

آغاز: 20/نومبر 2006ء بروز پیر **اختتام:** 25/نومبر 2006ء بروز ہفتہ

بوقت: بعد نماز مغرب تا عشاء **بمقام:** مسجد امیر معاویہ کوہاٹی بازار، راولپنڈی

منجانب: ادارہ غفران (ٹرسٹ) چاہ سلطان، گلی نمبر 17، راولپنڈی۔فون 051.5507530

بسلسلہ اصلاحِ معاملہ

مفتی محمد امجد حسین

معیشت اور تقسیمِ دولت کا فطری اسلامی نظام (قسط۱)

اسلام دینِ فطرت ہے اس کے سارے اصول وضابطے اپنے اندر آفاقیت کی شان رکھتے ہیں جو زمان ومکان کے اختلاف وامتداد سے متغیر ومنسوخ نہیں ہوتے ، کیونکہ یہ اصول وضابطے اسی خالقِ کائنات پروردگارِ عالم جل شانہ کے مقرر ونافذ کردہ ہیں، جو زمان ومکان کا خالق ہے اور زمان ومکان کے سارے احوال وتغیرات اور انقلابات کو اپنے علمِ ازلی کے ساتھ جاننے والا اور ان احوال وحوادث کے الٹ پھیر میں تصرف فرمانے والا ہے اور جو حوادثات وتغیرات ابھی پردہ غیب میں ہیں اور مستقبل کے حجاب سے نکل نکل کر تاقیامِ قیامت اس سرائے فانی جس کا نام دنیا ہے میں رونما ہوتے رہیں گے، ان کو بھی اسی طرح جانتا ہے جس طرح ان حوادث وتغیرات اور احوال واشخاص کو جو ''از آدم تا ایں دم'' ظاہر ورونما ہو چکے ہیں ان کے وقوع سے پہلے جانتا تھا، لہٰذا وہ رب جب کوئی حکم فرماتے ہیں اور بندوں کے لئے شریعت کا کوئی ضابطہ وقانون مقرر فرماتے ہیں تو اس حکم کی جتنی زمانی ومکانی وسعت اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتی ہے اس زمانی ومکانی وسعت کے سارے تغیرات واحوال کی اس حکم میں اور اُس خدائی قانون میں رعایت پہلے سے موجود ہوتی ہے، اسلام کو اپنے سے پہلے آسمانی شریعتوں پر یہ امتیاز حاصل ہے کہ اس کی زمانی ومکانی وسعت سب سے زیادہ ہے، وہ سارے آفاق کو گھیرے ہوئے اور قیامت تک سب زمانوں کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہی، اس لئے ضروری ہے کہ اسلام کے نزول کے وقت سے لے کر قیامت تک اور عرب کے ریگزاروں سے لے کر آباد انسانی دنیا کے آخری گوشے تک اور عرب کے صحرانشینوں کی سادہ طرزِ زندگی اور معاشرت سے لے کر آج کے بزعمِ خویش متمدن معاشروں ومہذب سوسائٹیوں تک سب کی صلاح وفلاح اور حقیقی ضرورتوں اور فطری تقاضوں کو اس میں ملحوظ رکھا گیا ہو، پس شریعت کے وہ سارے احکام جو حضور ﷺ اپنے پیچھے چھوڑ کر دنیا سے تشریف لے گئے اور صحابہ کرام اپنے تعامل وتوارث سے اور ان کے بعد سلف صالحین تدوین وتمکین سے ان کو رائج ومحفوظ کر گئے ان کو اختیار کرنے اور ان کی پابندی کرنے میں جس طرح کل انسانیت کی نجات اور دنیا کی فلاح تھی، آج بھی دنیا کی اور دنیا والوں کی نجات وفلاح انہیں میں ہے، اسلام کے ایک ایک حکم پر معروضی اور فطری حقائق کی روشنی میں غور کرنے

Idara Ghufran

سے اس حکم کے مصالح وحکمتیں اوراس کی جامعیت وآفاقیت کھلتی چلی جاتی ہے، گوکہ ایک مسلمان اس کا پابند ومکلّف نہیں کہ وہ احکامِ شرع کی حکمتیں اور مصلحتیں تلاش کرتا پھرے، تب اس حکم پر عمل کرے بلکہ اس حکم پر صحیح معنوں میں عمل کرنے سے وہ حکمتیں و مصلحتیں خود بخود حاصل ہوجاتی ہیں۔ یہ حکمتیں و مصلحتیں اخروی وروحانی تو ہیں ہی خود مادی ودنیاوی بھی ہیں اوراتنی متنوع اور کثیر الجہت ہیں کہ انسان کی عقل اس کے احاطہ سے قاصر ہے، احکامِ شرع کی یہ آفاقیت اور دنیوی واخروی اور مادی وروحانی سعادت اورفلاح سے اتصاف شریعت کے دوسرے ابواب کے ساتھ ساتھ اقتصادی ومعاشی شعبہ میں بھی پورے طور پر پایا جاتا ہے، اورکسب ومحنت اور تقسیمِ دولت کے متعلق بھی اسلامی شریعت کے قوانین وفرامین اور ہدایات وضوابط اپنے حسن وکمال کی جھلک ہر آن دکھاتے ہیں، اوراپنی حقانیت وصداقت منواتے ہیں، تقسیمِ دولت کے اسلامی نظام کی جامعیت ونافعیت اورموافقِ فطرت ہونے کو سمجھنے کے لئے انسان کی معاشرتی زندگی کا ذرا جائزہ لیا جائے اورانسان کے لئے اجتماعی حیثیت سے مل جل کر رہنے سہنے کی اہمیت پر ذرا غور کیا جائے تو دینِ اسلام کے آفاقی حقائق کھلتے چلے جاتے ہیں، کچھ وضاحت اس ابہام کی اورقدرے تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ انسان اشرف المخلوقات ہونے کی وجہ سے دوسرے سب مخلوقات کے ساتھ ساتھ تمام جانداروں سے بھی ممتاز ہے، اوراپنی فطرت میں مدنی الطبع ہے، مدنی الطبع ہونے سے ہماری مراد یہ ہے کہ خالق تعالیٰ نے انسان کی فطرت کو جس سانچے میں ڈھالا ہے اوراس کی پیدائش وتخلیقی ساخت جس طرح تشکیل دی ہے اوراس کی ضروریاتِ زندگی اورزندہ رہنے کے تقاضے جس قسم کے رکھے ہیں ان سب کی رو سے انسان آپس میں مل جل کر رہنے سہنے اورشہری ومعاشرتی زندگی گذارنے پر مجبور ہے، اورخود لفظِ معاشرہ میں لغوی اعتبار سے بھی یہ معنیٰ ملحوظ ہے، یعنی زندگی گذارنے میں شراکت اورایک سے زیادہ متعدد افراد کے اشتراک سے تشکیل پانے والا مجموعۂ افراد، اس اشتراک کی ضرورت توالد وتناسل اورنو پیدا افراد یانسلِ نو کی ترتیب وتہذیب کے لئے بھی ہے، اورانسانی زندگی کے فطری تقاضے اورناگزیر ضروریاتِ حیات کے پورا کرنے کے لئے بھی اس کی ضرورت ہے، چنانچہ انسان کو تن ڈھانپنے کے لئے لباس کی ضرورت ہے اور پھر موسمی ومکانی اختلاف سے لباس بھی انواع واقسام کا چاہئے، گرمی سردی اوردیگر موسمی تغیرات سے بچاؤ اورجان ومال کی حفاظت اورراحت وآرام کے حصول کے لئے مکان ورہائشی انتظام کی ضرورت ہے، کھانے پینے اورغذائی ضروریات کے لئے ان انواع واقسام کے

اناج، غلوں ترکاریوں کی ضرورت ہے، جس کے خزانے خالقِ باری نے اس کے لئے زمین کے اسی خمیر میں گوندھ رکھے ہیں، جس سے خود اس انسان کا جسدی خمیر بھی اٹھا ہے، پھر ان میں سے ہر ضرورت اپنے اندر بیسیوں انواع واجزاء کی حامل ہے، جن میں کا ہر فرد ایک پورا نظام وانتظام چاہتا ہے، اب ایک انسان کے بس میں نہیں کہ وہ بنفسِ نفیس یکہ وتنہا اپنی ان سب فطری ضروریات سے عہدہ برا ہو، یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ خود ہی اناج بھی بوئے، جبکہ محض اناج بونے کے عمل میں بیسیوں مرحلے درپیش ہیں کہ وہ کھیتی کے اوزار بھی بنائے، بیلوں کی جوڑی بھی فراہم کرے، اس جوڑی کے چارے پانی کا بھی بندوبست رکھے، کھیتی سینچنے کے لئے نہر کھودنا، کنواں نکالنا وغیرہ بھی تو کسی جوئے شیر کے لانے سے کم نہیں، پھر کھیتی کی حفاظت، اس کا کاٹنا، کاٹنے کے اوزار بنانا، اس کا گاہنا، اس کا پیسنا، پیسنے کے اوزار بنانا، پھر اس کا پکانا اور پکانے کا پورا نظام یہ سارے سلسلے سارے بکھیڑے ایک یکہ وتنہا شخص کیسے کرے؟ اگر ان چیزوں میں بالکل سادہ طریقہ اختیار کرے جس طرح جانوروں کا ہے تو اشرف المخلوقات کا ہے کا ہوا اور جانوروں وچوپایوں کی زندگی وگذران سے کیونکر اس کی زندگی مختلف ہوگی، اور پھر اس صورت میں خالق تعالیٰ کو اس اشرف المخلوقات سے جو کچھ مطلوب ہے کہ یہ اس کا نائب بن کر پوری کائنات میں تصرف کرے اور اپنے عقل کے جوہر کو اور دیگر فطری صلاحیتوں کو کام میں لائے، یہ مقاصد کیونکر حاصل ہونگے، علیٰ ھذا القیاس، باقی ہر ضرورت کا حال ہے۔

انسانی زندگی کے ان سارے احتیاجات وتقاضوں کی بجا آوری کے لئے ضروری ہے کہ انسان ضروریاتِ زندگی کے فراہمی کے نظام میں تقسیم کار کے اصول کو اپنائے، مختلف پیشے اور صنعتیں وحرفتیں وجود میں آئیں، مختلف افراد وخاندان اور انسانوں کے مختلف گروہ الگ الگ پیشوں کو اور ضروریاتِ زندگی کی فراہمی کے مختلف شعبوں کو اور قدرتی ومصنوعی پیداوار کے مختلف ذرائع کو اختیار کریں، آجر واجیر کی حیثیتیں وجود میں آئیں، دکان وبازار اور سرمایہ ومحنت کا جال بچھے، اجناس وخدمات اور مصنوعات وماکولات کا لین دین ہو، اور اس سارے نظام میں بدنظمی وانتشار سے بچاؤ کے لئے اور معاشرتی زندگی کے تمام ہی صیغوں میں صلح ومودت اور عدل وانصاف وامن وامان کے قیام اور مظالم کی روک تھام اور حق سے انصراف پر قدغن کے لئے سیاست وسیادت، حکومت وریاست کا نظام قائم ہو، حاکم ورعایا کے سلسلے قائم ہوں اور معاشرتی وتمدنی زندگی میں ہر فرد کے لئے حقوق وفرائض کا ایک منظّم سلسلہ وجود میں آئے، باہمی

تعلقات اور رشتوں ناطوں کے لئے ضابطہ اخلاق وجود میں آئے، ہماری پیاری شریعت میں جو کہ دینِ فطرت ہے اور آسمانی شریعتوں کی آخری کامل اور وسیع ترین شکل ہے اس میں فرد کی ذاتی زندگی کے لئے دستور العمل کی فراہمی سے لے کر خاندان، معاشرت اور ریاست کی تشکیل تک ہر مرحلے کے لئے پورا ایک مربوط و مستحکم نظام ہے، اس نظام کی استواری وارتباط کا یہ عالم ہے کہ اس کی نیچے سے لے کر اوپر تک ہر کڑی دوسرے سے اس طرح جڑی ہوئی ہے کہ مختلف کڑیوں سے تشکیل وترتیب پانے والی یہ لڑی ایک سنہری زنجیر بن جاتی ہے، اور یہ وہ سلسلۃ الذھب ہے جس کا سب سے اوپر والا کڑا عرش وکرسی کے پایوں میں پیوست وجڑا ہوا ہے اور کوثر وتسنیم سے دھلا ہوا ہے، اور جس کو خود خالقِ کائنات نے العروۃ الوثقیٰ کا نام دیا ہے اور اس سے وابستہ ہونے والوں کے لئے یہ ضمانت وگارنٹی دی ہے ''فَمَنْ یَّکْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَیُؤْمِنْ بِاللّٰہِ فَقَدِ اسْتَمْسَکَ بِالْعُرْوَۃِ الْوُثْقٰی لَا انْفِصَامَ لَھَا'' (البقرۃ، آیت ۲۵۶) کہ جو طاغوت کا انکار کرے اور ہر باطل سے کٹ جائے اور صرف ایک اللہ پر ایمان لا کر اس کے حکم وقانون کی پاسداری کرے تو اس شخص نے بڑا مستحکم حلقہ پکڑ لیا اور مضبوط کڑا تھام لیا جو ٹوٹنے سے پوری طرح محفوظ ہے (جاری ہے..........)

بسلسلہ : آدابُ المعاشرت

مفتی محمد رضوان

ہدیہ و تحفہ لینے دینے کے آداب (دوسری و آخری قسط)

✪......جس کو ہدیہ دیا گیا ہے اُس کو چاہئے کہ وہ ہدیہ میں لی ہوئی چیز کو ہدیہ دینے والے کے سامنے ایسے طریقے پر استعمال اور خرچ نہ کرے جس سے ہدیہ دینے والے کی دل شکنی ہو (ایضاً)

✪......ہدیہ میں آئی ہوئی چیز کسی دوسرے کو بھی ہدیہ دی جا سکتی ہے، البتہ اگر کسی نے ہدیہ کی کوئی چیز دیتے وقت خود استعمال کرنے کی قید لگا دی ہو تو پھر وہ کسی چیز کسی دوسرے کو ہدیہ کرنا بہتر نہیں، اگرچہ گناہ بھی نہیں (شمائلِ کبریٰ حصہ دوم ص ۱۱۳)

✪......جو چیز زکوٰۃ وصدقات یا کسی بھی دوسرے حلال ذریعہ سے اپنی ملکیت میں آئی ہو وہ بھی دوسرے مالدار کو ہدیہ میں دینا درست ہے۔

✪......ہدیہ نقدی اور غیر نقدی دو چیزوں کی صورت میں دیا جا سکتا ہے، لیکن نقدی کی شکل میں ہدیہ کرنا عام حالات میں دوسری چیزوں کے مقابلہ میں زیادہ مفید اور بہتر ہے، کیونکہ نقدی سے اپنی کسی بھی ضرورت پوری کرنے کا اختیار ہوتا ہے، جبکہ دوسری چیزوں میں یہ اختیار نہیں ہوتا، اور ظاہر ہے کہ جس چیز سے مختلف قسم کی ضروریات پوری کرنے کا اختیار ہو وہ ان چیزوں سے بہتر ہے، جن میں یہ اختیار نہ ہو (شمائلِ کبریٰ حصہ دوم ص ۱۱۳)

✪......دیندار اور معزز بزرگوں کی خدمت میں ہدیہ پیش کرنا بنسبت دوسروں کے زیادہ بہتر اور افضل ہے، اس لئے کہ ہدیہ میں پیش کی ہوئی چیز ایک دیندار استعمال کرے گا تو اس کا درجہ ایک عام غیر دیندار شخص کے استعمال سے اعلیٰ و افضل ہے (ایضاً ص ۱۱۶)

✪......کسی مصلحت وضرورت سے کافر کو تحفہ پیش کرنا جائز ہے، لیکن اس طرح کے تحفہ میں شرط یہ ہے کہ کافر کی محبت وخلوص دل میں نہ ہو، کیونکہ کسی کافر کی محبت اور اس سے دلی دوستی جائز نہیں (شمائلِ کبریٰ ج ۲ ص ۱۲۶)

✪......اگر دوسرے سے اپنا کوئی مقصد اور غرض وابستہ ہو تو ایسے موقع پر دوسرے کو ہدیہ پیش نہ کرے، کیونکہ اس کی وجہ سے دوسرا شرمندہ یا متأثر ہو جاتا ہے، اور اُس کو اپنے کام کی آزادی میں رکاوٹ پیش آتی ہے (اسلامی اخلاق وآداب صفحہ ۲۴۹ بتغیر)

✪......دوسرے کو ہدیہ اور اپنی کوئی ضرورت وحاجت دونوں ایک ساتھ پیش نہ کرے، یہاں تک کہ ہدیہ کے ساتھ دُعا کی درخواست بھی نہ کرے، بلکہ ہدیہ ایسے انداز میں پیش کرے، جس سے یہ شبہ بھی نہ ہو کہ یہ اپنی کسی ضرورت اور مقصد کی غرض سے دیا جارہا ہے، اگر دوسرے سے کوئی غرض ہو یا دُعا کی درخواست کرنی ہو تو یہ ضرورت پہلے پوری کرلے اور ہدیہ بعد میں پیش کرے، تاکہ اس ہدیہ کو اُس غرض یا دُعا کے بدلہ ومعاوضہ کی حیثیت حاصل نہ ہو (اسلامی اخلاق وآداب صفحہ ۲۴۹ بتغیر)

✪......اگر کوئی سفر میں ہو اور اُس کو ہدیہ پیش کرنا مقصود ہو تو بلاوجہ ہدیہ ایسی چیز کا پیش نہ کرے جو دوسرے کو اپنے مقام تک ساتھ لے جانا مشکل ہوجائے (ایضاً)

✪......کسی دوسرے کو ہدیہ دینے کی ترغیب نہ دے، اگر خود سے کوئی ہدیہ دے تو الگ بات ہے (ایضاً)

✪......اگر کوئی تمہاری خاطرداری کے لئے خوشبو، تیل، تکیہ، دودھ، وغیرہ پیش کرے کہ خوشبو یا تیل لگالو یا تکیہ کا سہارا لے لو یا دودھ پی لو تو اگر کوئی عذر نہ ہو تو اس کے قبول کرنے میں انکار نہ کرے، کیونکہ اس کے قبول کرنے میں کوئی مشقت بھی نہیں اور دوسرے کا دل بھی بآسانی خوش ہوجاتا ہے (ایضاً)

✪......جو شخص آپ کا مقروض ہو، اُس سے ہدیہ لینا مناسب نہیں، البتہ اگر یہ ثابت ہوجائے کہ وہ قرض لینے کی وجہ سے ہدیہ نہیں دے رہا، مثلاً اُس سے قرض دینے سے پہلے بھی ایسا تعلق ہے کہ ہدیہ کا لین دین اُس سے چلتا ہے، تو پھر اُس کا ہدیہ قبول کرلینے میں کوئی حرج نہیں۔

✪......جو شخص اخلاص کے ساتھ ہدیہ دے، تو اُس کا بدلہ بھلائی اور نیکی کے ساتھ دینا چاہئے اور کچھ نہ ہو تو اُس کے حق میں دعا کردینی چاہئے یا کم از کم ''جَزَاکُمُ اللّٰہُ خَیْرًا'' وغیرہ کہہ دینا چاہئے۔

✪......آج کل رشوت کی بہت سی صورتیں رائج ہیں، جن کو ہدیہ اور تحفہ کا نام دیا جاتا ہے، حالانکہ رشوت کا لین دین حرام ہے، اور صرف نام بدلنے سے کسی معاملہ کی حقیقت تبدیل نہیں ہوجاتی، لہٰذا رشوت کی جو جو صورتیں بھی ہدیہ اور تحفہ کے نام سے جاری ہیں وہ شرعاً حرام اور کبیرہ گناہ ہیں اور ہر مسلمان کو ان سے بچنا ضروری ہے، رشوت لینے اور دینے والے کے بارے میں حدیث میں یہ وعید سنائی گئی ہے کہ وہ دونوں جہنم میں جائیں گے۔

سرکاری یا غیر سرکاری عہدوں پر جو لوگ مقرر ہوتے ہیں اور ان کو جن خدمات کے انجام دینے پر باقاعدہ تنخواہ ومعاوضہ ملتا ہے، ان خدمات کے صلہ میں کچھ تحفہ وہدیہ بلکہ فیس وغیرہ کے نام سے لینا رشوت میں

داخل ہے، اور اگر اس کی وجہ سے قانون شکنی بھی کی جائے تو دھرا گناہ ہے۔ اسی طرح ڈاکٹر صاحبان کا کسی خاص کمپنی کی ادویات تجویز کرنے پر اس کمپنی سے ہدیہ وتحفہ کے عنوان سے کچھ لینا جائز نہیں، کیونکہ ڈاکٹر حضرات اس تحفہ وہدیہ کے نام سے ملنے والی مراعات کی خاطر مریضوں پر ظلم وزیادتی کا ارتکاب کرتے ہیں۔

✪......شادی بیاہ کے موقع پر تحفہ وہدیہ کے نام سے دولہا کو جو نوٹوں کا ہار پہنایا جاتا ہے، یہ بھی شرعاً جائز نہیں، کیونکہ اگر اس کا مقصود دولہا کو مخصوص رقم کا ہدیہ وتحفہ دینا ہے تو اس کو ہار کی شکل میں دینے کی کیا ضرورت ہے؟ ظاہر ہے کہ ریا کاری، دکھلاوے اور نام ونمود کے علاوہ اور کوئی غرض نہیں ہوسکتی، اور تحفہ وہدیہ میں ایسی نیت کرنا جائز نہیں، لہٰذا جو رسم ناجائز غرض پر مبنی ہو وہ بھی ناجائز ہوگی۔

✪......اسی طرح شادی بیاہ یا کسی دوسری تقریب کے موقع پر نیوتہ کے عنوان سے جو رقم اس غرض سے دی جاتی ہے تاکہ لینے والا اتنی یا اس سے زیادہ رقم دینے والے کو کسی اس جیسی تقریب میں واپس کرے، اس طرح کی رقم کا لین دین بھی جائز نہیں، کیونکہ ہدیہ وتحفہ میں اس طرح واپسی کی رسم بن جانے سے وہ قرض میں داخل ہو جاتا ہے اور اس میں سود وغیرہ جیسی کئی خرابیاں لازم آتی ہیں۔

✪......نکاح کے موقعہ پر دلہن کے والدین کے ذمہ اپنی بیٹی کو جہیز وغیرہ کے عنوان سے کچھ دینا شرعاً لازم نہیں اور آج کل اس کو اتنا ضروری اور لازم سمجھا جاتا ہے کہ اس رسم کو پورا کرنے کے لئے سودی قرض لینے اور بھیک مانگنے کو بھی روا رکھا جاتا ہے، یہ شرعاً سراسر ناجائز رسم ہے، لڑکی والوں سے جہیز کا مطالبہ کرنا گناہ ہے

✪......غیر اسلامی رسم ورواج میں ہدیہ تحفہ پیش کرنا دہرا گناہ ہے، مثلاً سالگرہ کے موقع پر، مہندی وغیرہ کی رسم میں، کیونکہ اولاً تو ان رسموں کا منعقد کرنا اور ان میں شریک ہونا ہی گناہ ہے، دوسرے ان غیر اسلامی رسموں میں تحفہ وہدیہ دے کر تعاون اور ان پر خوشی کا اظہار کرنا، یہ الگ گناہ ہے۔

✪......کسی خاص تقریب کے موقع پر مثلاً بچے کی ختنہ وغیرہ ہونے پر چھوٹے بچوں کو جو کچھ تحفہ، ہدیہ وغیرہ دیا جاتا ہے، اُس سے خاص اُس بچہ کو دینا مقصود نہیں ہوتا بلکہ بچے کے ماں باپ کو دینا مقصود ہوتا ہے، اس لیے وہ بچہ کی ملکیت نہیں بلکہ ماں باپ اس کے مالک ہیں، وہ جو چاہیں کریں، البتہ اگر کوئی شخص خاص بچہ ہی کو کوئی چیز دے تو پھر وہ خاص اس بچے ہی کی ملکیت ہے، ماں باپ کو اپنی مرضی سے اس کو استعمال کرنا جائز نہیں (بہشتی زیور، پانچواں حصہ صفحہ ۴۵، مسئلہ نمبر ۱، بتغیر)

بسلسلہ : اصلاح وتزکیہ ترتیب وحواشی: مفتی محمد رضوان

مکتوباتِ مسیحُ الامت (قسط۷)

(بنام محمد رضوان)

''مسیح الامت حضرت مولانا محمد مسیح اللہ خان صاحب جلال آبادی رحمہ اللہ کی وہ مراسلت جو مفتی محمد رضوان صاحب کے ساتھ ہوئی، ماہنامہ ''التبلیغ'' میں یہ مراسلت قسط وار شائع کی جارہی ہے''

دوسرا باب (تبلیغی اُمور)

اس باب میں چندوہ متفرق اصلاحی باتیں جمع کی گئی ہیں، جن کا تعلق زیادہ تر وعظ و بیان سے ہے، اگرچہ بظاہر تو یہ اصلاحی باتیں مقدار میں کم ہیں لیکن اپنی جامعیت کے لحاظ سے بہت مفید اور کارآمد ہیں، خاص طور پر ان حضرات کے لئے جن کو کسی درجہ میں مقتداء ہونے کی شان بھی حاصل ہو اور تقریر و تبلیغ وغیرہ سے ان کو سابقہ پڑتا رہتا ہو۔

عرض......السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

ارشاد......السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

عرض......احقر جمعرات کو تھانہ بھون جاتا ہے اور جمعہ کو وہاں قیام رہتا ہے، محلّہ کی خواتین کی خواہش تھی کہ بندہ ہر جمعہ کو خواتین کے لئے کچھ بیان کر دیا کرے، اس مرتبہ جمعہ کو ابتدائی بیان ہوا، اکثر خواتین اور کچھ مرد بھی شامل تھے، باپردہ بیان کا نظم تھا، بیان ختم ہونے کے بعد خواتین اور مردوں کی طرف سے یہی خواہش ہوئی کہ ہر جمعہ کو بیان ہوا کرے، آپ والا کی اس بارے میں کیا رائے ہے، جیسا حکم ہو، انشاء اللہ اس پر عمل ہوگا، اگر آپ فرمائیں تو جاری رکھونگا، ورنہ ترک کردوں گا۔

ارشاد......جاری رکھیں۔ [۱]

---

[۱] یہ حضرت والا کی ذرّہ نوازی تھی کہ طالبِ علمی کے زمانہ میں بندہ کو اس کی اجازت مرحمت فرمادی اور صرف یہی نہیں بلکہ حضرت نے یہ کرَم فرمائی بھی بندہ پر کی تھی کہ اپنے دولت خانہ کے قریب میں واقع ''مُنی والی مسجد'' میں بروز جمعہ نمازِ جمعہ سے پہلے بندہ کو ایک مخصوص مدت تک بیان کرنے کا بھی موقعہ عنایت فرمایا تھا، اور اس موقعہ پر بندہ کے بیان کا آغاز تو اس وقت ہوتا تھا جب حضرت والا مسجد میں تشریف فرما نہیں ہوتے تھے اور اپنے مجلس خانہ میں جمعہ کی تیاری میں مشغول ہوا کرتے تھے، لیکن جب حضرت والا مسجد میں تشریف لے آتے تھے، اُس کے کچھ لمحات کے بعد بندہ کا بیان ختم ہو جایا کرتا تھا اور بعد میں کسی وقت حضرت والا بیان سے متعلق کچھ اصلاحی ہدایات بھی بندہ کو ارشاد فرمادیا کرتے تھے۔ محمد رضوان

عرض......وعظ وبیان شروع کرتے وقت خطبہ طویل اور لمبا پڑھنا چاہئے یا تھوڑا بھی کافی ہے، نیز شرعاً وحکمتاً افضل کونسا ہے؟

ارشاد......جیسا موقع ہو، عام طور پر جو معمول ہے وہ کافی ہے۔ ۱؎

عرض......تھانہ بھون جمعہ میں جو بیان کا سلسلہ شروع کیا گیا ہے اس میں اکثر خواتین اور بعض مرد حضرات شریک ہوتے ہیں، زیادہ ترکس موضوع پر کلام کیا جائے، احقر حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے مواعظ، مجالس وملفوظات سے استفادہ کرتا ہے۔

ارشاد......علم۔ نماز، اتفاق، حقوق العباد۔ ۲؎

عرض......جیسا کہ آپ والا کو علم ہے کہ جمعرات میں تھانہ بھون جانے کا معمول ہے، تھانہ بھون میں محلہ میں مولانا والی مسجد ہے وہاں لوگوں کی طرف سے اصرار رہا ہے کہ جمعرات کو جب موقع ملے مسجد میں نماز وغیرہ کی ترغیب پر بیان کر دیا کریں۔ لیکن احقر ابھی تک معذرت خواہ رہا ہے تاکہ آپ والا کی رائے کے مطابق عمل کیا جاسکے لہٰذا رائے عالی درکار ہے۔

ارشاد......اپنے کو خطاب کے ساتھ مخاطبین کو بھی خطاب ہو، بہت خوب اور نافع ہے۔ ۳؎

عرض......احقر نے تھانہ بھون جمعہ کے روز آپ والا کی اجازت سے بیان ومجلس شروع کی تھی ماشاءاللہ

۱؎ مطلب یہ ہے کہ عام حالات میں تو بیان سے پہلے جو خطبہ عربی میں پڑھا جاتا ہے، وہ معمول کے مطابق ہونا چاہئے، اور اگر کبھی موقع معمول سے ہٹ کر قدرے لمبا یا مختصر ہونے کا ہو تو اس میں بھی حرج نہیں۔

۲؎ حضرت والا نے جن موضوعات کو بیان میں زیادہ اہمیت دینے کی نشاندہی فرمائی، وہ موضوعات واقعی ایسے ہیں کہ آج بھی ان موضوعات کی اُمت کو بہت زیادہ ضرورت ہے، چنانچہ عصری علوم کے عام ہوجانے کے باوجود علمِ دین سے ناواقفیت عام ہے، اور نمازیوں کا تناسب بھی مسلمانوں میں بہت کم بلکہ نہ ہونے کے برابر ہے، اسی طرح مسلمانوں میں نااتفاقی بھی عام ہے، گھر گھر میں لڑائی جھگڑے کی فضاء موجود ہے، اور حقوق العباد کا اہتمام بھی بہت کم ہے، حق تلفیاں عام ہیں، اللہ تعالیٰ ان تمام اُمور کی پابندی اور اہتمام کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

۳؎ بیان اور وعظ کرتے وقت اگر اپنے آپ کو بھی خطاب کیا جائے، اور اپنے آپ کو بھی اصلاح کا محتاج سمجھا جائے، بلکہ اپنے کو مخاطبین سے زیادہ محتاج سمجھا جائے تو ایسا خطاب واعظ اور بیان کرنے والے کی اصلاح میں مُعین واقع ہوتا ہے اور اسی کے ساتھ اس کا ایک فائدہ یہ ہوتا ہے کہ تکبر اور مخاطبین پر حقارت کی نظر کے مرض سے حفاظت رہتی ہے، ورنہ اگر صرف دوسروں کو ہی خطاب کرنا پیشِ نظر ہو تو بعض اوقات ساری زندگی اس شعبہ کے ساتھ منسلک رہنے کے باوجود اپنے امراض دُور نہیں ہوتے اور ایسے وقت حالت یہ ہوجاتی ہے کہ دوسروں کے اوپر سے مکھی اُڑانے کی فکر رہتی ہے اور خود اپنے جسم میں کیڑے پڑ رہے ہوتے ہیں، اس کی بھی پرواہ نہیں ہوتی، اگر حضرت والا کی اس ہدایت کو ہر مقرر ومبلغ اور واعظ پیشِ نظر رکھے تو ان شاء اللہ تعالیٰ خوب نفع ہو، جیسا کہ حضرت والا نے خود اپنے الفاظ میں بھی بیان فرما دیا ہے۔

ترقی پر ہے۔ کچھ عوام کبھی اردگرد گاؤں سے بھی آجاتے ہیں، عورتوں کی طرف سے یہ بھی رائے آئی ہے کہ ان کو نماز وغیرہ کا طریقہ بھی بتلا دیا جایا کرے، احقر کا خیال ہے کہ نماز کے متعلق مختصر کتب اور مسواک و تسبیح وغیرہ لاکر خواتین میں تقسیم کرادی جائیں آپ والا کی کیا رائے ہے؟

ارشاد......ابھی صرف کتابیں۔ ۱

عرض...... بیان کے دوران بعض باتیں ایسی بھی آتی ہیں کہ ان میں کوئی اشکال ہوتا ہے اور اس اشکال کا صحیح جواب معلوم نہیں ہوتا، کبھی اپنے ذہن میں کوئی جواب آتا ہے اور ذہن یہ بھی کہتا ہے کہ یہ صحیح ہے لیکن یہ معلوم نہیں ہوتا کہ فی الواقع صحیح ہے یا نہیں، ایسی صورت میں کیا کرنا چاہئے؟ کیا اپنے ذہن میں آیا ہوا جواب بیان کردیا جاوے؟

ارشاد......نہیں، کہہ دیا کہ معلوم نہیں۔ ۲

عرض...... جمعہ کے روز تھانہ بھون گھر پر بیان ہوتا ہے، کبھی شام کو جب جاتا ہوں تو کچھ مہمان ہوتے ہیں ،عزیز و اقارب کہتے ہیں کہ کچھ بیان کردو احقر عذر کردیتا ہے کہ صبح جمعہ ہے کل تو بیان ہوگا ہی، یہ سوچتا ہوں کہ رات کو پھر صبح کو، اتنے زیادہ بیان سے لوگ بھی اکتائیں گے اور دین کی قدر نہ رہے گی ایسے میں کیا ردِّعمل ہو۔

ارشاد......معمول بنانا نہ ہو۔ ۳

عرض...... بیان کی ابتداء اگر اس قسم کے الفاظوں سے کی جائے تو کیسا ہے؟

---

۱ حضرت والا کی اس ہدایت میں کئی مصلحتیں تھیں، مثلاً ایک یہ کہ جتنا تحمل ہو، اتنا بار اپنے اوپر ڈالا جائے، دوسرے یہ کہ نامحرموں سے اختلاط اور بے تکلفی کی نوبت نہ آنے پائے، تیسرے یہ کہ یہ اجتماع تعلیم وتبلیغ کی غرض سے منعقد ہوتا تھا اور اس اجتماع کی غرض سے کتابوں کو زیادہ مناسبت حاصل ہے، کہیں دوسری چیزوں کی وجہ سے اصل غرض سے انحراف لازم نہ آجائے وغیرہ وغیرہ۔

۲ محقق یا مجتہد کا صریح جزئیہ کے بغیر اُصولوں کی روشنی میں جواب دیدینا تو درست ہے لیکن غیر محقق اور غیر مجتہد کو صریح جزئیہ کے بغیر جواب دیدینا درست نہیں، ایسے موقعہ پر بعض اللہ والوں کا ارشاد ہے کہ جب کسی چیز کا علم نہ ہو تو اس کے بارے میں یہ کہہ دینا کہ ''لَا اَدْرِیْ ،نِصْفُ الْعِلْمِ'' یعنی مجھے اس بات کا علم نہیں، یہ نصف علم ہے۔ کیونکہ جس چیز کا علم نہ ہو اس کو غلط بتانا دوہری جہالت ہے، ایک تو علم نہ ہونے کی ، دوسرے غلط بتانے کی، مگر ظاہر ہے کہ یہ بات اسی وقت کہی جاسکتی ہے جبکہ اپنے نفس کو دبالیا جائے، اور شہرت ونام ونمود سے بچنے کا اہتمام کیا جائے، ورنہ تو یہ بات کہنا بہت مشکل ہے۔

۳ دعوت وتبلیغ میں اعتدال ضروری ہے، غلو ہوجانے کی صورت میں لوگوں کی نظروں میں دعوت وتبلیغ جیسا اہم عمل حقیر بن کر رہ جاتا ہے، بعض لوگ جو موقع محل کی رعایت کے بغیر دعوت وتبلیغ کے عنوان سے ہمہ وقت دوسروں کے درپے رہتے ہیں یہ طرزِ عمل نقصان دہ ہے، احادیث وروایات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ دین کی بات بتانے میں اتنا غلو کرنا کہ لوگ اُکتا جائیں، پسندیدہ عمل نہیں، ہر چیز میں اعتدال کو ملحوظ رکھنا نہایت ضروری ہے، افراط وتفریط اور غلو ہر چیز میں بُرا ہے۔

معزز سامعین کرام، نوجوانانِ اسلام و فرزندانِ نیک انجام، محترم بزرگو اور دوستو، شمعِ رسالت کے پروانو، توحید کے متوالو، لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے پڑھنے والو۔ احقر نے آپ کی خدمت میں اولاً کلام اللہ شریف کی آیت مبارکہ پیش کی بعدہٗ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان مبارک پیش کیا

وغیرہ۔ غرض جو امور قابلِ اصلاح و مخلِ اصلاح ہوں تحریر فرمادیں۔

ارشاد......زبانی، کاپی ساتھ ہو۔ ۱

عرض......احقر خواتین میں بیان کی ابتداء تلاوتِ کلام پاک سے کرتا ہے اور خواتین کے اصرار کی وجہ سے نعت و نظم بھی پڑھ دیتا ہے یہ درست ہے یا نہیں۔

ارشاد......زبانی بات۔ ۲

عرض......بندہ ایک مدت سے بیان اور وعظ کرتا تھا لیکن خود عمل کا جذبہ اتنا نہیں تھا، اب یہ خیال پیدا ہوا کہ جو باتیں بیان میں پیش کی جاتی ہیں ان پر خود بھی عمل ہے کہ نہیں اور کیا صرف سامعین ہی احکام کے مکلّف ہیں خود مکلّف نہیں پھر **فاذا فرغت فانصب** کا کیا مطلب ہے اور متکلم کو تو اور زیادہ احتیاط اور عمل کی ضرورت ہے۔ پہلا درجہ تو نفع لازمی کا ہے نفع متعدی کا درجہ تو دوسرا ہے اس سوچ سے الحمدللہ کافی اپنے اندر احساس پیدا ہوا۔

ارشاد......یہ سوچ مبارک۔

---

۱ حضرت والا نے زبانی گفتگو کے دوران لگے بندھے، پُرتکلف اور تصنع والے الفاظ استعمال کرنے کو پسند نہیں فرمایا تھا، بلکہ بے تکلفی اور اخلاص کے ساتھ اصل مقصود کو حاصل کرنے کے لئے جو الفاظ بھی زبان پر جاری ہو جائیں، پھر خواہ مذکورہ الفاظ ہوں یا دوسرے، اُن کو پسند فرمایا تھا، البتہ وعظ و نصیحت میں جو الفاظ زیادہ اثر پیدا کرتے ہوں اور مقصود بھی اصلاح ہو، اپنے کو بڑا مقرر اور صاحبِ علم وغیرہ ظاہر کرنا اور جتلانا مقصود نہ ہو، اور اس میں اتنا غلو، تصنع و تکلف بھی نہ ہو کہ اصل مقصود نظر سے اوجھل ہی ہو جائے، اور مقصود پر غیر مقصود غالب آ جائے، تو اس میں بھی حضرت والا نے حرج نہ ہونے کی وضاحت فرمائی تھی۔

۲ حضرت والا نے زبانی گفتگو کے دوران یہ وضاحت فرمائی تھی، کہ نظم و نعت وغیرہ پڑھنے میں فتنہ نہ ہو تو پھر اجازت ہے، اگر لہجہ، آواز یا دوسرے انداز سے خواتین کے دل میں کوئی فتنہ پیدا ہو تو پھر اس کی اجازت نہیں۔

نعت و نظم وغیرہ کے مسئلہ میں یہ ملحوظ رہنا بھی ضروری ہے کہ ان میں موسیقی اور گانوں کا انداز اختیار کرنا اور ان کو گانوں کی طرز و دھنوں میں پڑھنا جائز نہیں (جیسا کہ آجکل ''نعوذ باللہ تعالیٰ'' بہت سے نعت خوانوں کا وطیرہ بن گیا ہے)

Idara Ghufran

بسلسلہ : اصلاحُ العلماء والمدارس ترتیب: مفتی محمد رضوان

❖ مولوی کے بعد مولانا اور اب ڈاکٹر کی باری ہے

جب ہم نے قرآن مجید حفظ کرنے کے بعد دینی کتب کی تعلیم کے سلسلہ کا آغاز کیا تو ہمیں ''حمد باری'' نامی ایک منظوم رسالہ حفظ کرایا گیا، یہ منظوم رسالہ یوں تو بہت مختصر تھا لیکن اتنا مفید اور جامع تھا کہ بہت سے کارآمد اور روزمرہ استعمال کے الفاظ کے معانی شعر شعر کے انداز میں معلوم ہو جایا کرتے تھے، اس منظوم رسالہ کے بالکل ابتدائی صفحہ پر ایک شعر یہ بھی ہم نے پڑھا تھا ؎

علمِ مولیٰ ہو جسے ہے مولوی جیسے حضرت مولوی معنوی

اس شعر میں مولوی کا معنیٰ بیان کیا گیا ہے کہ جسے مولیٰ کا علم ہو، مولوی کا لفظ دراصل اسی معنیٰ میں استعمال ہوتا تھا اور اس اعتبار سے یہ لفظ بہت زیادہ معنیٰ خیز تھا، علمائے کرام کو مولوی کے لقب سے ہی یاد کیا اور جانا پہچانا جاتا تھا، لیکن جب یہ لفظ زیادہ عام اور پرانا ہو گیا تو اس کے متبادل ''مولانا'' کا لقب استعمال ہونے لگا، اور رفتہ رفتہ ''مولوی'' کا لفظ پسِ منظر میں چلا گیا، اور بلکہ مولوی ایک ایسا لقب بن گیا کہ عام علماء کے طبقہ میں اس لقب کو ناپسندیدہ سمجھا جانے لگا، چنانچہ آج اگر کسی عالمِ دین کو مولوی کے نام سے یاد کیا جائے تو اسے یہ نام کچھ اچھا نہیں لگتا۔

بہر حال مولوی کے بعد ''مولانا'' کا لفظ علماء کے ماحول میں مہذب اور پسندیدہ شمار کیا جانے لگا، چنانچہ اپنے نام کے ساتھ مولانا کا لفظ سن کر ایک عالم کو اچھا محسوس ہوتا تھا، مگر اس کے باوجود مولوی کا لفظ عملی طور پر مولانا سے کوئی جداگانہ مفہوم نہ رکھتا تھا۔

لیکن اب ایک اور لقب چل پڑا ہے ''ڈاکٹر'' یا ''دکتور'' دکتور اصل میں بنیادی طور پر تو انگریزی زبان کا لفظ تھا یعنی ڈاکٹر، جب عربی دنیا میں اس کو پذیرائی حاصل ہوئی تو عربی زبان کے خاص نہج پر لانے کے لئے ''ڈاکٹر'' سے ''دکتور'' بنا لیا گیا۔

مولوی یا مولانا کے مقابلہ میں ''ڈاکٹر'' یا ''دکتور'' کا لقب دراصل ایک ایسی شخصیت کے لئے ایجاد کیا گیا تھا جو دینی مدارس و جامعات کے مخصوص نصاب و نظامِ تعلیم اور اہلِ علم کی مخصوص وضع قطع سے آزاد ہوتا تھا۔

بالکل ابتداء میں تو یہ نصاب و نظامِ تعلیم مستشرقین (Orientalist) نے اپنے زیرِ اثر ادارے قائم کر کے

شروع کیا تھا۔

مستشرقین کے ان اداروں کے طرزِ عمل کے بارے میں حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں:

''مستشرقین کے ان اداروں کا مقصد اور خواہ کچھ بھی ہو، لیکن طلبِ حق نہیں ہے اور اسی کا نتیجہ ہے کہ وہ دن رات قرآن وسنت کا مشغلہ رکھنے کے باوجود اس کے حقیقی نور (ایمان ویقین اور اعمالِ صالحہ) سے محروم ہیں اور مقامِ عبرت ہے کہ کفر تک کی ظلمتوں سے نجات حاصل نہیں کر سکے۔ لیکن اس سے زیادہ عبرتناک مسلمان ملکوں کا یہ طرزِ فکر ہے کہ یہ سب کچھ دیکھنے کے باوجود انہوں نے اسلامی علوم کے بارے میں بھی انہی اداروں کی ڈگریوں کو اپنے معاشرے میں بڑا اونچا مقام دے رکھا ہے اور مسلمانوں کو مجبور کر رکھا ہے کہ اگر سرکاری سطح پر اسلامی علوم میں اپنی قابلیت منوانی ہے تو انہی اداروں میں پڑھ کر آؤ، اور ان لوگوں کے معیار پر پورے اترو جوان اسلامی علوم سے ایمان اور عملِ صالح کی دولت حاصل کرنا نہیں چاہتے گویا کہ اسلام کا بھی وہی علم معتبر ہے جسے اسلام کی حقانیت سے انکار کرنے والے یہ غیر مسلم صحیح قرار دیں، ذہنی غلامی اور غیرت کے دیوالیہ پن کی یہ انتہا ہے جو آج بہت سے مسلم ملکوں میں ایک فیشن بنی ہوئی ہے، اسی بنیاد پر دین اور دین کے علوم میں مہارت وقابلیت کو جانچا جارہا ہے اور ان سے کوئی یہ کہنے والا موجود نہیں کہ ؎

کرمکِ ناداں! طوافِ شمع سے آزاد ہو اپنی ہستی کے تجلی زار میں آباد ہو

(ماخوذ از ''جہانِ دیدہ'' صفحہ ۵۹۳ تا ۵۹۴ بتغیر بذیل ''دیارِ مغرب میں تین ہفتے'')

حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی صاحب رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش'' میں اسلامی ممالک میں مستشرقین کے طریقِ کار، ان کے عزائم ومقاصد اور معاشرے پر ان کے پڑنے والے اثرات پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔

ابتداء میں ان اداروں سے تعلیم یافتہ شخصیات کو ڈاکٹروں کا لقب دیا جاتا تھا، بعد میں عرب ممالک میں ایسے ادارے، کالج ویونیورسٹیوں کی شکل میں قائم کیے گئے کہ ان اداروں کے اغراض ومقاصد کو تو مستشرقین کے قائم کردہ اداروں کے اغراض ومقاصد کے عین مطابق قرار دینا ناانصافی ہوگی، لیکن ان

اداروں میں کچھ عناصر ضرور مستشرقین کے اداروں سے شعوری یا غیر شعوری طور پر منتقل ہو گئے تھے، کیونکہ ان اداروں کے ذمہ دار اور معلمین دینی مدارس و جامعات کی طرح تقوے و طہارت، پاکیزگی یہاں تک کہ وضع قطع میں شرعی اُصولوں کے پابند نہ تھے اور ان کی تعلیم و تحقیق کے انداز میں بھی آزادانہ رویہ اور مغربی تجدد پسندی اور اباحیت و پرستی کے جراثیم کا بھی معمولی حصہ شامل تھا، رفتہ رفتہ یہ اثرات ہمارے ملک میں بھی داخل ہو گئے اور یہاں بھی ایسے ادارے قائم ہو گئے جن سے فاضل حضرات کو مولوی یا مولانا کے بجائے دُکتور، یا ڈاکٹر کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے، ان اداروں میں دین کی تحقیق و ریسرچ میں کافی توسع اور اباحیت پرستی کی آمیزش پائی جاتی ہے، اور بعض روشن خیالی کے محبین اور دعویداروں کی نظروں میں اولاً تو مستشرقین سے براہِ راست استفادہ کرنے والے اور ثانیاً اسلامی ملکوں کے فاضل یہی ڈاکٹر یا دکتور اسلام کے معتدل ترجمان اور بین المذاہب ہم آہنگی یا تقاربِ ادیان کے مسئلہ میں معین سمجھے جاتے ہیں اور ان کے مقابلہ میں معروف معنیٰ میں مولوی یا مولانا حضرات مذہبی انتہاء پسند قرار دیئے جاتے ہیں۔

ہمیں ان اداروں اور ان کی تعلیم کی افادیت سے انکار نہیں، لیکن یہ شکوہ ضرور ہے کہ دینی مدارس و جامعات کے بالمقابل ان اداروں کی ڈگریوں کو اب اہلِ علم حضرات بھی زیادہ اہمیت دینے لگے ہیں اور ان اداروں سے اپنا تعلق جوڑ کر مخصوص دینی وضع قطع اور چال وچلن سے بھی منحرف ہو رہے ہیں۔

ان حالات میں اندیشہ ہے کہ اگر معاملہ بلا کسی نکیر و اصلاح کے یونہی جاری رہا تو ہمارے ملک میں دینی وضع قطع کے حوالے سے جو مخصوص تصور عوام کے ذہنوں میں قائم ہے، وہ بھی نہ جاتا رہے اور یورپی و عربی ممالک کی طرح کل وہ دن دیکھنا نہ پڑے کہ ہمارے منبر و محراب سے دین کی صدائیں بلند کرنے والے وہ لوگ ہوں جو مولوی یا مولانا کے بجائے ڈاکٹر یا دُکتور کی ڈگری و سند اپنے پاس رکھتے ہوں اور اس دینی وضع قطع اور مخصوص حلیہ سے بالکل آزاد ہوں۔

مغربی طرز پر قائم یونیورسٹیوں میں جو دینی و عصری علوم پڑھائے جا رہے ہیں اگر ان کی اہلِ علم حضرات کے لئے ضرورت محسوس کی جاتی ہے تو مناسب یہ تھا کہ ان علوم کو دینی مدارس و جامعات کے نصابوں کو متنوع بنا کر مدغم کیا جاتا، تو شاید مغربی جراثیم سے حفاظت رہتی، لیکن وفاق المدارس کی سطح پر صرف ایک ہی نصاب پر پوری اجتماعی صلاحیتوں کو خرچ کرنے کی وجہ سے ابھی تک اس ضرورت کو پورا نہیں کیا جا سکا، جس کی وجہ سے دینی مدارس کے فضلاء ایک دینی و سیع درسِ نظامی کے نصاب سے گذر کر ان یونیورسٹیوں کے نصابوں کے محتاج ہوتے ہیں، اور وہاں پہنچ کر ان کے رنگ میں رنگ جاتے ہیں، الا ماشاءاللہ۔

علم کے مینار بمولانا محمد امجد حسین

مسلمانوں کے علمی کارناموں وکاوشوں پر مشتمل سلسلہ

ہر چہ گیرد علّتی ......(قسط ١٢)

چوتھا تعلیمی دور

برصغیر (پاک وہند، بنگلہ دیش) نیز افغانستان کے دینی مدارس میں جو نصاب پچھلی تین صدیوں سے رائج ہے، درسِ نظامی کا نصاب کہلاتا ہے، تعلیمی ادوار کی سابقہ ترتیب کے مطابق یہ چوتھا تعلیمی دور بنتا ہے، پھر اس کا ایک ترقی وکمال اور عروج وشباب کا دور ہے اور ایک انحطاط وانجماد اور تنزل وادبار کا عہد ہے، پھر اس کے تنزل وانحطاط کا بھی ایک وسیع پسِ منظر ہے جس کی تفصیلات میں تو جانے کا موقع نہیں، البتہ مختصراً اس کی اہم وجوہات آگے ہم عرض کریں گے، درسِ نظامی کا یہ نصاب ملا نظام الدین سہالوی، فرنگی محلی لکھنوی رحمہ اللہ کے نامِ نامی سے معنون اور موسوم ہے۔ [١]

---

[١] ملا موصوف کا خاندانی پسِ منظر یہ ہے کہ لکھنؤ کے اطراف میں لکھنؤ سے تقریباً تیس میل پر ایک مردم خیز قصبہ سہالی ہے، یہاں مسلمانوں کے دو معروف صاحبِ وجاہت خاندان ایک انصاری اور ایک عثمانی آباد تھے، ملا صاحب اس بستی کے انصاری خاندان سے تھے ان کے والد ملا قطب الدین سہالوی ایک جید ومستند عالِم تھے، اور ان کا یہاں اپنا مستقل تعلیمی حلقۂ درس تھا، جو ان تمام مشرقی صوبوں اور علاقوں میں مرکزیت کی حیثیت رکھتا تھا، اور علم کے پیاسوں کے لئے سرچشمہ فیض اور قبلہ گاہ تھا، یہاں کے انصاری اور عثمانی دونوں خاندانوں میں دشمنی اور عداوت چلی آرہی تھی، حالات کی ستم ظریفی دیکھئے کہ ایک دن عثمانی دشمنی اور انتقام کی آگ میں جل بھن کر ملا صاحب کے گھر پر چڑھ آئے، ملا قطب الدین کو شہید کر کے گھر کو آگ لگا دی، بے گناہ قتل ہونے کی وجہ سے قوم نے ان کو شہید کا خطاب دیا، یہ واقعہ ١١٠٣ھ کا ہے، جو سلطان اورنگزیب عالمگیر رحمہ اللہ کی حکومت کا تقریباً پینتیسواں سال تھا (سلطان عالمگیر رحمہ اللہ کا کل زمانۂ حکومت نصف صدی کے لگ بھگ ہے) ملا قطب الدین شہید کے چار بیٹے تھے جن میں سے ملا نظام الدین تیسرے تھے، اور اس حادثہ کے وقت ان کی عمر لگ بھگ ١٥ سال تھی، اس حادثہ کے بعد بے کسی کے عالَم میں یہ گھرانہ سہالی سے نکل کر لکھنؤ چلا آیا، مغل سلطنت کے دورِ عروج میں امن وامان، عدل وانصاف کا نظام بڑا مستحکم تھا، ہر جگہ وقائع نگار مقرر تھے (آج کی اصطلاح میں خفیہ والے) ہر واقعہ کی اطلاع دربارِ شاہی میں بروقت ہو جاتی، اور پھر وہاں سے راست اقدام ہوتا اور فوراً قانون حرکت میں آجاتا، مختصر یہ کہ دربارِ شاہی سے اس خانماں برباد گھرانے کے لئے لکھنؤ کے محلّہ فرنگی محل میں ایک حویلی مع عمارات متعلقہ جاگیر میں دینے کا فرمان جاری ہوا، عالمگیر کا یہ فرمان بزبانِ فارسی تذکروں میں محفوظ ہے، فرنگی محل نام مشہور ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس محلّہ میں ایک فرانسیسی تاجر کی تجارتی کوٹھی اور گودام تھا، اس تاجر کے چلے جانے کے بعد بھی یہ محلّہ اسی نام سے متعارف ہوگیا، واضح رہے کہ یورپی قومیں فرانسیسی، ولندیزی، پرتگیزی، انگریز ابتداء میں سرزمینِ ہند میں تجارت اور سیاحت کی غرض سے محدود پیمانے پر آمد ورفت رکھتی تھیں، اور ان کی تجارتی سرگرمیوں کی تاریخ عالمگیر سے بھی بہت پہلے ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو﴾

کیونکہ وہی اس کے ترتیب دینے والے اور جاری کنندہ و رائج کنندہ ہیں۔

درسِ نظامی یعنی ملا نظام الدین کا ترتیب دیا ہوا نظامِ تعلیم

درسِ نظامی کا یہ نصاب جو ملا نظام الدین رحمہ اللہ نے ترتیب دیا کچھ اضافوں اور کچھ تغیر و ترمیم کی صورت میں پچھلے نصاب کا ہی تسلسل تھا، [1] نصاب ملاحظہ ہو:

صرف میں میزان منشعب، صرف میر، پنج گنج، زبدہ، فصولِ اکبری اور شافیہ۔

نحو میں نحو میر، شرح مائۃ عامل، ہدایۃ النحو، کافیہ، شرح جامی۔

علمِ معانی و بلاغت میں میں مختصر المعانی، مطول (تا بحث ما انا قلت)

فقہ میں شرح وقایہ، ہدایہ۔

اصولِ فقہ میں نور الانوار، توضیح تلویح، مسلم الثبوت۔

علم الکلام والعقائد میں شرح عقائد النسفی، شرح عقائد جلالی، میر زاہد، شرح مواقف۔

تفسیر میں جلالین، بیضاوی۔

حدیث میں مشکوٰۃ المصابیح۔

منطق میں صغریٰ، کبریٰ، ایساغوجی، تہذیب، شرح تہذیب، قطبی، میر قطبی، سلم العلوم۔

حکمت و فلسفہ میں میبذی، صدرا، شمسِ بازغۃ۔

﴿حاشیہ پیچھے سے مسلسل﴾ شاہجہان اور جہانگیر کے دور تک پھیلی ہوئی ہے اور خود اکبر کے دربار میں پرتگیزی پادریوں کے وفد کا آنا اور دینِ الٰہی کے حامل جدت پسند و روشن خیال اکبر کا مسلمان علماء سے سرِ درباران کا مناظرہ کرانا تاریخ میں مفصل مذکور ہے، ملا نظام الدین والد کی شہادت کے وقت شرح جامی تک پہنچے تھے اس کے بعد فراغِ خاطر ہونے پر آگے تعلیم جاری رکھی اور تکمیل بنارس میں لائق مدرس حافظ امان اللہ کے پاس کی، فارغ التحصیل ہو کر اپنے والد کی خالی مسندِ درس پر جلوہ افروز ہوئے، اور پھر تھوڑے ہی عرصہ میں صاحبِ فضل و کمال نظام الدین نے فرنگی محل کے آستانہ علمی کو بلند پروازی میں رفعتِ آسمانی سے ہمکنار کر دیا، اور ان کا فرنگی محل میں قائم کردہ یہ جدید حلقۂ درس تمام مشرقی ہندوستان کا مرجع علم و فیض قرار پایا، تصوف میں ملا نظام الدین اپنے زمانہ کے معروف بزرگ حضرت شاہ عبدالرزاق ہانسوی رحمہ اللہ سے بیعت تھے، ملا صاحب کی وفات ۱۱۶۱ھ میں ہوئی۔

[1] یہ بات ملا نظام الدین کے شجرہ علمی سے اچھی طرح سمجھ آتی ہے، ملا نظام الدین کے والد اور استاد ملا قطب الدین شہید تھے جو جامع العلوم والکمالات اور اپنے مستقل تعلیمی سلسلہ کے بانی تھے، وہ بیک واسطہ دیوا کے مولوی عبدالسلام اور الٰہ آباد کے شیخ محبّ اللہ کے شاگرد تھے، اور یہ دونوں بزرگ لاہور سے مفتی عبدالسلام سے پڑھ کر آئے تھے، مفتی عبدالسلام وہ یگانہ روزگار بزرگ ہیں جو میر فتح اللہ شیرازی کے ممتاز و لائق ترین شاگرد تھے اور جنہوں نے لاہور میں اپنا حلقۂ درس قائم کر کے پورے چالیس سال علوم و فنون کے دریا یہاں بہائے، مفتی عبدالسلام کے ہزاروں شاگردوں میں ممتاز ترین مذکورہ دونوں بزرگ مولوی عبدالسلام دیوا کے حلقہ درس والے اور شیخ محبّ اللہ الٰہ آباد کے حلقۂ درس والے تھے۔

پھر بعد میں مختلف اوقات میں مختلف مقامات پر اس میں جو تغیرات واضافات ہوئے اس کا مختصر ماجرا یہ ہے میراث وفرائض کے مستقل فن کا اضافہ ہوا، جس میں سراجیہ مع شرح شریفیہ رکھی گئی، فنِ مناظرہ میں رشیدیہ، اصولِ حدیث میں نخبۃ الفکر، علمِ حدیث میں مشکوٰۃ کے بعد صحاحِ ستہ، منطق میں ایساغوجی، قال اقول، میزان المنطق، بدیع المیزان، سلم العلوم، ملاحسن، حمداللہ، قاضی مبارک، شرح مطالع، ہدیہ سعیدیہ، فلسفہ میں شرح ہدایۃ الحکمۃ، خیرآبادی کی شرح اشارات، شفا (ابنِ سینا) شرح قوشجی، حواشی جدید قدیم اجد، تصریح، شرح چغمینی، ان کے علاوہ میر زاہد رسالہ، میر زاہد ملا جلال، میر زاہد امورِ عامہ (زواہدِ ثلاثہ) الافق المبین، فلکیات وھیئت میں اقلیدس، ریاضی میں خلاصۃ الحساب، اصولِ فقہ میں اصول الشاشی، حسامی۔

اسی طرح مختلف کتبِ معقولات پر صدر شیرازی، میر باقر داماد، میر شریف جرجانی، ملاعبدالحکیم سیالکوٹی کے حواشی بھی مختلف حلقہائے درس میں داخل وشامل ہوتے گئے، خیرآبادی حلقۂ درس میں فضل امام خیر آبادی، فضل حق خیرآبادی اور عبدالحق خیرآبادی کے حواشی (ھیئت وہندسہ وغیرہ پر) بھی شامل تھے۔

درسِ نظامی کا اصولِ تعلیم

مولانا شبلی مرحوم نے درسِ نظامی کے متعلق اپنے ایک مضمون میں نظامی طرزِ تعلیم کے درج ذیل اصول ذکر کیے ہیں:

(۱)......اختصار: یعنی اس نصاب میں ہرفن کی محض ایک دو مختصر کتابیں لی گئی تھیں، اسی اصول کی رعایت کرتے ہوئے اس نصاب میں اکثر کتابیں ناتمام رکھی گئی تھیں، ہر کتاب کا صرف اس قدر حصہ شاملِ نصاب کیا گیا جو ضروری سمجھا گیا، چنانچہ معقولات میں میر زاہد، ملاجلال، صدرا، شمسِ بازغۃ، اسی طرح مسلم الثبوت، تلویح ان سب کتابوں کا منتخب حصہ ہی نصاب میں شامل تھا۔

(۲)......نصاب میں ہرفن کی سب سے مشکل کتاب رکھی گئی تاکہ غور وفکر کا ملکہ پیدا ہوجائے، اور نصابی مشکل کتاب سمجھ کر پڑھ لینے سے اس فن کی ہر کتاب خود بخود سمجھنے اور حل کرنے کی قدرت پیدا ہوجائے۔

(۳)......ہندوستان کے علماء کی تصنیفات کو درسیات میں شامل کیا گیا، حالانکہ اس سے پہلے ایسا نہیں تھا۔

(۴)......منطق فلسفہ آمیز کی ملاوٹ، منطق کی پرانی کتب اور ان کی تعلیم پہلے بالکل سادہ تھی، جس میں فلسفہ کی ملاوٹ نہیں تھی، ملامحب اللہ بہاری (ہم عصر سلطان عالمگیر رحمہ اللہ) نے منطق میں سلم العلوم جیسی

معرکۃ الآراء کتاب لکھ کر منطق میں فلسفہ کے مسائل ملادیئے اوراس فن کا عام سادہ طرز بدل دیا، ملانظام نے اپنے نصاب میں منطق کی یہی کتاب شامل کی، پھر آپ کے شاگردوں اور بعد میں آنے والے معقولی عالموں نے مسلم کی شروحات کا انبار لگادیا، اوراس میں فلسفہ کے ملاوٹ کے اس رنگ کو مزید گہرا اور چوکھا کردیا۔

سلسلہ نظامیہ کا ہندوستان بھر میں پھیلاؤ

ملانظام الدین نے فرنگی محل میں اپنا جدید حلقۂ درس قائم کیا اور فیض لٹانا شروع کیا اوران سے پہلے ان کے والد ملا قطب الدین شہید کا حلقہ درس سہالی میں سرچشمہ علوم وفنون تھا جس سے ایک جہاں فیض یاب ہوا، اس طرح اس خاندان کے فیض یافتگان ہزاروں کی تعداد کو پہنچے، جو ملک کے مختلف حصوں سے تعلق رکھتے تھے اور ملک کے چپے چپے پر پھیلے ہوئے تھے، جن میں بہت سے اس شان کے ماہرینِ علوم وفنون اور اصحابِ فضل وکمال تھے کہ بعد میں خود مستقل تعلیمی سلسلوں کے بانی بنے اوراپنے اپنے حلقہائے درس انہوں نے قائم کیئے، صاحبِ مأثر الکرام کی شہادت اس بارے میں ملاحظہ ہو:

''امروز علمائے اکثر نظر ہندوستان نسبت تلمذ بہ مولوی دارند وکلاہِ گوشہ تفاخر می شکند وکسیکہ سلسلہ تلمذ بہ او رساند بین الفضلاء علم امتیازی افرازد'' (ماخوذ از مقالاتِ شبلی)

ہندوستان میں اس زمانے میں جو بڑے بڑے درس وتدریس کے حلقے قائم ہوئے اور تعلیمی سلسلے وجود میں آئے اکثر اسی خاندان کے فیض یافتگان تھے، جیسے مشرقی ہندوستان میں، بہار کے ملامحبّ اللہ بہاری اور غلام یحیٰی بہاری سے علوم کا فیض پھیلا، جو اسی خاندان کے خوشہ چین تھے، رام پور بڑے طویل عرصے تک علوم وفنون کا مرکز بنا رہا یہ ملانظام الدین کے بیٹے عبقری وقت بحرالعلوم ملاعبدالعلی اور ملاحسن (شارح سلم) کا فیض تھا، کیونکہ یہ دونوں بزرگ ایک عرصے تک یہاں رہے اور ملاحسن کی تو وفات بھی یہیں ہوئی، دارانگر (امروہہ) میں نواب نجیب الدولہ نے مدرسہ قائم کیا تھا اس مدرسہ کے اکثر مدرسین اسی خاندان کے شاگرد تھے، جنہوں نے وہاں علم کی اشاعت کی، بنگال اور مدراس میں علم کا جو فیضان عام ہوا وہ بھی بحرالعلوم ملاعبدالعلی کا فیض تھا، کہ ان مقامات میں بھی ایک وقت میں آپ کا حلقۂ درس قائم رہا، اسی طرح قطب الدین شمس آبادی، قطب الدین گوماپوی، امان اللہ بنارسی، ملاکمال، مولوی برکت اللہ، مولوی حمداللہ، مولوی یاداللہ، مولوی فضل امام، مولوی فضل حق، مولوی عبدالحق (خیرآبادی سلسلہ تعلیم والے) یہ

سب مشاہیر اور صاحبانِ فضل وکمال اسی خانوادے کے فیض یافتگان تھے اور آگے علوم وفنون کی اشاعت کے لئے ان میں سے ہر ایک کا حلقہ درس قائم ہوا، اور ملک کے طول وعرض میں نظامی فیض شاخ درشاخ ہوکر پھیلنے لگا، اوراس کے نئے نئے سوتے پھوٹنے لگے، اور چشمے ابلنے لگے۔

ملا نظام الدین کے معاصر تعلیمی حلقے

ملا نظام کے معاصر معروف تعلیمی حلقے جو ہندوستان بھر میں مرکزیت کی شان رکھتے تھے یہ ہیں:
ملامحبّ اللہ بہاری صاحبِ سلم ومسلم (متوفی ۱۱۱۹ھ) کا حلقہ درس (آپ ملاقطب الدین کے شاگرد تھے) ملاجیونؒ مصنف نورالانوار کا حلقہ درس (متوفی ۱۱۲۰ھ) سید عبدالجلیل بلگرامی (متوفی ۱۱۲۲ھ) استاد غلام علی صاحب ماثر الکرام کا حلقہ درس۔ میر غلامؒ علی آزاد بلگرامی کا حلقہ درس۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ دہلوی (متوفی ۱۱۷۴ھ) کا حلقہ درس۔

فرنگی محل کی ممتاز خصوصیات

ملا نظام الدین کے قائم کردہ حلقہ درس فرنگی محل کو علوم وفنون کی تعلیم کے لئے ملک بھر میں سب سے زیادہ قبولیتِ عامہ حاصل ہوئی، ملک کے گوشہ گوشہ سے طالبانِ علوم تحصیلِ علم کا احرام باندھ کر عازمِ سفر ہوتے تو اسی قبلہ گاہ کے طواف کو پہنچتے تھے، فرنگی محل کو تمام علمی خانوادوں اور تعلیمی حلقوں میں یہ امتیاز حاصل ہوا کہ دوسو سال سے زیادہ عرصے تک بغیر انقطاع کے مسلسل ملا نظام الدین کی نسل میں نسل درنسل صاحبِ فضل وکمال علماء پیدا ہوتے رہے اور فرنگی محل کی رونق کو ہر آنے والے وقت میں بڑھاتے ہی رہے۔

سب سے پہلے تو خود ملا نظام کے فرزند ارجمند اور درشاہوار بحرالعلوم ملا عبدالعلی ملا صاحب کے جانشین ہوئے جن کے متعلق مولانا شبلی مرحوم نے لکھا ہے کہ تمام ملک نے ان کو بحرالعلوم کا لقب دیا، اور ہندوستان کی خاک سے کوئی دوسرا شخص اس جامعیت کا پیدا نہیں ہوا، ملا نظام کے شاگردوں میں ایک خود آپ کے یہ فرزند بحرالعلوم دوسرے ملا کمال (مشہور معقولی عالم اور مصنف ومدرس) سب سے اونچا مقام رکھتے تھے، اسی طرح ملا حسن بھی ملا نظام کے ممتاز شاگردوں میں تھے، ملا کمال ہی کے دامنِ فیض میں مولوی حمداللہ فیض یاب ہوئے تھے، جن کی شرح سلم حمداللہ مشہور ہے، بحرالعلوم عبدالعلی کے بیٹے ملا عبدالاعلیٰ تھے اس کے علاوہ آگے نسل درنسل اس خاندان میں یہ مشاہیر پیدا ہوئے، ملا مبین، مولانا ظہوراللہ، مولانا ولی اللہ، مولانا نعمت اللہ، مفتی محمد یوسف، مولوی عبدالحکیم، مولانا عبدالحلیم، مولانا عبدالحئی فرنگی محلی لکھنوی، مولوی

فضل اللہ، مولوی نور اللہ۔

ملانظام الدین کی تصنیفی خدمات اور ان کی بے نفسی

ملا صاحب کا تصنیفی کام بھی کافی ہے، مثلاً شرح مسلم الثبوت، شرح منار موسوم بہ صبح صادق، حاشیہ صدرا، حاشیہ شمس بازغۃ، حاشیہ برحاشیہ قدیمہ (قدیم جدیداجد) یہ سب بڑے پایہ کی کتابیں ہیں، اور نہایت دقیق اور محققانہ ہیں، لیکن ملا صاحب کا اخلاص اور بے نفسی و بے تعصبی ملاحظہ ہو کہ اپنی کوئی کتاب اپنے ترتیب دیئے ہوئے نصاب میں شامل نہیں کی بلکہ اپنے معاصر علمائے ہند کی تصانیف شامل کیں، جیسے نورالانوار، سلم، مسلم وغیرہ۔

اس نصاب کی خصوصیات میں سے ایک اس کا اختصار ہے جیسا کہ پیچھے ذکر ہوا، اور اس میں راز یہ تھا کہ ملا صاحب کے اس طریقہ میں کتاب سے زیادہ استاد کی اہمیت تھی کہ استاد ایسا ماہر الفن ہو کہ وہ فن کی محض کوئی ایک یا دو کتابیں جو دقیق اور محققانہ ہوں وہ مجتہدانہ نظر سے طالب علم کو اس طرح پڑھائیں کہ طالبِ علم اس فن کا ماہر ہو جائے اور اس فن کی ہر کتاب کو خود سمجھ سکے، اور عرصے تک اس نصاب کی یہ خصوصیت رہی کہ اس کا پڑھنے والا ان تمام فنون اور علوم میں ماہر اور کامل ہو کر نکلتا تھا، اور اختصار کی وجہ سے وقت بھی کم خرچ ہوتا تھا کہ سولہ سترہ سال کی عمر میں ایک طالبعلم یہ نصاب پڑھ کو بآسانی فارغ ہو جاتا، اکثر علمائے فرنگی محل اتنی ہی عمر میں فارغ ہوئے ہیں، جبکہ قدیم نصاب میں کتابوں کی بھرمار تھی خصوصاً معقولات کی کتابیں، جیسے کہ مغلیہ عہد میں میر فتح اللہ کی درسیات کے حوالے سے پیچھے ذکر ہو چکا ہے، ملا نظام نے یہ سب طول طویل، اور ہر فن کی کئی کئی کتابیں بیک قلم موقوف کر دیں، لیکن یہ ستم ظریفی بھی ملاحظہ ہو کہ بعد میں جب درسِ نظامی اپنے دورِ زوال میں داخل ہوا تو اس میں معقولات کی پھر بے شمار کتابوں کا اضافہ ہوا، وہی پرانی روایت جو میر فتح اللہ ایرانیوں کی معقولات کی کتابیں بکثرت داخل کر کے قائم کر گئے تھے، اور ملا نظام نے آ کر اس کو ختم کرایا تھا اب دوبارہ زندہ ہو گئیں، چنانچہ پیچھے آپ نے دیکھ لیا کہ اصل درسِ نظامی میں ہر فن کی کتنی کتابیں تھیں اور بعد میں پھر ان میں کتنا اضافہ ہوا، خصوصاً منطق وفلسفہ کی کتابوں کی تو وہ بھرمار ہوئی کہ الامان والحفیظ، کہاں اصل درسِ نظامی میں منطق وفلسفہ کی دو چار کتابیں اور کہاں بعد میں شروحات، حواشی اور حواشی درحواشی کی صورت میں بیسیوں کتابوں کا اضافہ۔ بعد کے دور کے اس تغیر پذیر درسِ نظامی میں معقولات کی مذکورہ بالا کتابوں کی ذرا گنتی کیجئے تیس چالیس سے کیا کم ہونگی؟

منطق وحکمت کے بعد ایسی شروحات وحواشی جو ملا نظام کے دور میں لکھی بھی نہیں گئی تھیں بعد میں درسِ نظامی کی جان بن گئیں، جیسے ملاحسن، قاضی مبارک، حمداللہ، حاشیہ غلام یحیٰی وغیرہ۔ یاد رہے کہ وطنِ عزیز میں ساٹھ کی دہائی میں وفاق المدارس کے قیام کے بعد اس نصاب میں کافی کچھ تغیر ہوا ہے، منطق وفلسفہ اور دیگر فنون کی کتابوں کا وہ عدد جو تیس چالیس کی حد پار کرگیا تھا اور ہر کتاب کی پھر اتنی اہمیت بٹھادی گئی تھی کہ ان میں سے کوئی شرح کوئی حاشیہ رہ جائے تو علم ناقص رہ جائے، وہ چیز بہت حد تک ختم ہوگئی اور اب تو گذشتہ کئی سالوں سے اہلِ وفاق کی طرف سے اس نصاب میں حسبِ ضرورت، حسبِ حالات مناسب تغیر وترمیم کا تناسب سابق سے بھی کئی گنا بڑھ گیا۔ (جاری ہے............)

﴿بقیہ متعلقہ صفحہ ۲۰ ''پہلی صف میں نماز پڑھنے کی فضیلت''﴾

لَا یَزَالُ قَوْمٌ یَتَأَخَّرُوْنَ حَتّٰی یَتَأَخَّرَهُمُ اللّٰهُ (مرقاۃ جلد۳ صفحہ ۷۰)

''(اگلی صف میں جگہ ہوتے ہوئے) پیچھے رہنے والوں کو اللہ تعالیٰ (جنت میں داخل کرتے وقت بھی) پیچھے رکھیں گے'' (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد۳ صفحہ ۷۰)

تھوڑی سی لاپرواہی، کم ہمتی، مسجد سے جلدی نکلنے یا دنیا کے دھندوں کو حل کرنے کی فکر میں اگلی صفیں چھوڑ کر پچھلی صفوں کا نماز پڑھنے کے لئے انتخاب کرنا اپنا بہت بڑا نقصان کرنا ہے، جنت میں جلدی داخل ہونے کی نعمت کا اندازہ تو قیامت کے دن ہی ہوگا، قرآن مجید میں ہے کہ:

کَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِیْنَ اَلْفَ سَنَةً (سورۃ معارج)

''قیامت کا دن پچاس ہزار سالوں کے برابر ہے''

جو خوش نصیب لوگ قیامت کے دن جنت میں جلدی داخل کیے جائیں گے انہیں دیکھ کر دوسرے لوگ حسرت اور رشک کریں گے، لیکن آج جبکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اُس دن کی حسرت اور رشک سے بچنے کا موقعہ دیا ہوا ہے، ہم اپنی غفلت، لاپرواہی اور دینی تعلیمات اور دین سے دُوری کی وجہ سے اس انتہائی اہم اور قیمتی وقت کو ضائع کررہے ہیں، اگر آج ہم اپنے اندر تھوڑی سی فکر اور ہمت پیدا کرلیں اور آپ ﷺ کی تعلیمات پر عمل شروع کردیں تو کل قیامت کے دن کی حسرت اور افسوس سے نجات مل سکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں پہلی صف کی فضیلت اور اہمیت سمجھنے اور اس کی قدر کرنے کی توفیق عطا فرمائیں. آمین ثم آمین

تذکرۂ اولیاء مولانا محمد امجد حسین

اولیاءِ کرام اور سلف صالحین کے نصیحت آموز واقعات وحالات اور ہدایات وتعلیمات کا سلسلہ

تصوف کے مشہور سلسلوں کا تاریخی پسِ منظر (قسط ٨)

ابتدائی چار صدیوں کے صوفیائے عظام

تصوف کے حقائق اور مقاصد کے سلسلے میں بقدرِ ضرورت کئی بنیادی چیزیں اس مضمون میں اب تک عرض کی جا چکی ہیں، اور مزید بھی اس سلسلے میں بہت کچھ قابلِ وضاحت باتیں اور بیان کے لائق اہم امور ہیں لیکن اس طرح طوالت بہت زیادہ ہوجائے گی، اور ہم بہت دور نکل جائیں گے اور اس مضمون کا وہ اہم مقصد جو اس کے عنوان کا اصل معنون ہے، یعنی صوفیاء کے طبقات اور تصوف کے ادارے کا تاریخی وزمانی جائزہ اس سے ہم بھٹک جائیں گے۔

تو اے مخاطب! جو کچھ اس سلسلہ میں اب تک بیان ہو چکا ہے اس پر قناعت کر اور اس کو غنیمت جان کہ یہ بہت کچھ عرق ریزی کا نچوڑ، ورق گردانی کا ثمرہ اور اپنے ان بزرگوں کی مجالست وصحبت کا فیض ہے، جن کے انفاس سے ایک بے قرار روح غذا اور قرار پاتی ہے، بس اب ہم اس تاریخی جائزے کی طرف آتے ہیں جس کا یہ مضمون متقاضی ہے، صحابہ اور تابعین کے متعلق تو ذکر ہو چکا کہ تصوف کی جو اصلیت وحقیقت ہے وہ ان میں سے ایک ایک فرد کو حاصل تھی اور وہ سب اسی رنگ میں رنگے ہوئے تھے، ان کے بعد (اور خود تابعین میں بھی) چوتھی صدی کے آخر تک عہد بعہد جو بزرگ اس قافلے کے رہبر اور میر کارواں بنتے رہے اور صدق وصفا واخلاص وعزیمت کے میدان کے شہسوار اور توحید ومعرفت کے ناپیدا کنار سمندر کے شناور قرار پائے اور امت نے ان کو سر آنکھوں پر بٹھایا ان میں زیادہ مشہور ذیل کی ہستیاں ہیں، شیخ حسنؒ بصری رحمہ اللہ (متوفی ١١٠ھ) (تصوف کے چار مشہور سلسلوں میں سے نقشبندیہ کے علاوہ باقی تینوں کی نسبت ان ہی کے واسطہ سے نبی علیہ السلام تک پہنچتی ہے) امام سفیان ثوری رحمہ اللہ (عظیم محدث بھی ہیں متوفی ١٦١ھ) شیخ الصوفیہ عبدالواحد بن زیاد رحمہ اللہ (متوفی ١٧٠) حضرت حبیب عجمی، حضرت داؤد طائی (متوفی ١٦٢ھ) رحمہما اللہ، حضرت ابراہیم بن ادھم (ایضا) رحمہ اللہ، حضرت فضیل بن عیاض (متوفی ١٨٧ھ) رحمہ اللہ، آپ کے بیٹے حضرت علی، شیخ شفیق بلخی (متوفی ١٧٤ھ) شیخ یوسف بن اسباط (متوفی

۱۹۵ھ) رحمہ اللہ، شیخ معروف کرخی (متوفی ۲۰۰ھ) رحمہ اللہ، شیخ ذوالنون مصری (متوفی ۲۴۵ھ) رحمہ اللہ، شیخ بشر حافی (متوفی (۲۲۷ھ) رحمہ اللہ، شیخ ابوسلیمان دارانی (متوفی ۲۱۵ھ) رحمہ اللہ شیخ بایزید بسطامی (متوفی ۲۶۱ھ) رحمہ اللہ، شیخ سری سقطی (متوفی ۳۵۳ھ) رحمہ اللہ، شیخ حارث محاسبی (متوفی ۲۴۳ھ) رحمہ اللہ، شیخ جنید بغدادی (متوفی ۲۹۸) رحمہ اللہ، شیخ حاتم اصم (متوفی ۲۳۷ھ) رحمہ اللہ، شیخ محمد بن عبداللہ ابوبکر الدقاق (متوفی ۲۹۰) رحمہ اللہ، شیخ ابوجعفر منصور الصوفی (متوفی ۲۵۹ھ) رحمہ اللہ، احمد عبدالجبار المرعشی (متوفی ۳۲۸ھ) رحمہ اللہ، شیخ الصوفیہ محمد بن داؤد (متوفی ۳۴۲ھ) رحمہ اللہ، محمد بن داؤد ابوبکر الصوفی (متوفی ۳۶۰) ابوعمر الزاھد (متوفی ۳۶۰ھ) رحمہ اللہ، منصور بن عبدالوھاب الصوفی (عظیم محدث امام بیہقی رحمہ اللہ کے استاد تھے)

پانچویں صدی ہجری کی اہم کتبِ تصوف

اس عرصہ کے تصنیفی کام کا اجمالی خاکہ یہ ہے:

شیخ حسن بصری رحمہ اللہ (متوفی ۱۱۰) ھ کی کتاب الاخلاص، عظیم محدث عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کی کتاب الزھد (۱۸۱ھ) امام احمد بن حنبل (۲۴۱ھ) کی کتاب الزھد، ابوعبداللہ محمد بن زیاد رحمہ اللہ (۲۳۱ھ) کی کرامات الاولیاء، ابوعبیدہ کی کتاب الابدال، ابوعبداللہ محمد بن زیاد (۲۳۱ھ) کی ختم الاولیاء، شیخ یحییٰ بن معاذ رازی کی کتاب المریدین، شیخ حارث بن اسد المحاسبی (۲۷۳ھ) کی کتاب التفکر والاعتبار اور رسالہ المستر شدین، ابن ابی الدنیا کی کتاب الزھد، کتاب الاخلاق، کتاب التقویٰ، کتاب المکارم الاخلاق، کتاب مکائد الشیطان، شیخ ابوحمزہ الصفی (۲۸۹ھ) کی کتاب المتمیمین، العباد المتصوفین، ھشام القاری (۲۹۲ھ) کی کتاب التوکل، شیخ ابوالحسین احمد بن محمد النوری الصوفی (۲۹۵ھ کی کتاب القلوب، شیخ جنید بغدادی کی کتاب الرسائل، کتاب امثال القرآن، یہ زیادہ تر تیسری صدی ہجری کا سلوک واحسان کے باب میں تصنیفی کام ہے۔

چوتھی صدی کی اہم کتبِ تصوف جو بعد کے اس موضوع پر تصنیفی کام کے لئے ماخذ کی حیثیت رکھتی ہیں یہ ہیں، شیخ ابونصر سراج طوسی (۳۷۸ھ) کی کتاب اللمع فی التصوف، شیخ ابوبکر محمد بن ابراہیم بخاری (۳۸۰ھ) کی کتاب التعرف، شیخ سہل بن عبداللہ تستری کی مواعظ العارفین، شیخ ابوطالب مکی (۳۸۶ھ) کی قوت القلوب فی معاملۃ المحبوب اور وصف طریق المرید الی مقام التوحید۔

پانچویں صدی ہجری کی معرف کتب یہ ہیں، شیخ محمد بن حسین نیشاپوری (۴۱۲ھ) کی طبقات الصوفیہ (یہ کتاب اس بات کا دستاویزی ثبوت ہے کہ سلفِ صالحین میں علم وفن کے ہر میدان حدیث، تفسیر، فقہ، اصولِ فقہ وغیرہ کے حاملین کاملین زہد وفقر اور تزکیہ باطن کی بھی پوری پوری جمع پونجی اپنے دل کے کیسہ میں رکھتے تھے، اور معرفت وحقیقت کی بلند سے بلند نسبتوں کے حامل تھے) اسی طرح عظیم محدث ابونعیم (۴۳۰ھ) کی حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء (کئی ضخیم جلدوں میں ہے) امام بیہقی (محدث) کی کتاب الزھد (۴۵۸ھ) امام عبدالکریم قشیری (۴۶۵ھ) کا رسالہ قشیریہ اور مدارج الاخلاص، غزنی سے لاہور آ کر ایمان وایقان کی شمع اس ظلمت کدہ ہند میں فروزاں کرنے والے عظیم بزرگ اور سرخیل اولیاء شیخ ابوالحسن علی ہجویری رحمہ اللہ (۴۷۰ھ) کی کشف المحجوب اور خواجہ عبداللہ انصاری ھروی (۴۸۱ھ) کی طبقات الصوفیہ اور منازل السالکین۔

امام غزالی اور سلاسلِ اربعہ کا زمانہ

اس پانچویں صدی کی بہت بڑی قدآور شخصیت، حجۃ الاسلام امام غزالی رحمہ اللہ کی ہے، جن کا تصنیفی کام تصوف وسلوک اور شریعت کے سب شعبوں میں تجدیدی شان کا حامل ہے، آپ کی کیمیائے سعادت، منہاج العابدین اور احیاء علوم الدین شریعت وطریقت کی عظمت کے وہ نشان ہیں، جن کی سرسبزی وشادابی آج بھی روزِ اول کی طرح ہے۔

امام غزالی رحمہ اللہ مجددانہ شان کی حامل ہستی تھی، آپ کی خدمات وتصنیفات، کاموں اور کارناموں کے اثرات صرف اپنے زمانے پر نہیں بلکہ آنے والے سب زمانوں پر بھی گہرے مرتب ہوئے، آپ نے بگاڑ وفساد کے اصل دھاروں کا رخ موڑا، فلسفیانہ علوم کے سیلابِ بے تمیزی کے آگے بند باندھا، تصوف اور اصلاح وتزکیہ کے شعبہ کو انہوں نے نئی آب وتاب اور نیا آہنگ عطا کیا اس لئے ان کی ذات گذشتہ اور آئندہ کے درمیان ایک پُل کا کام دیتی ہے، آپ کا زمانہ پانچویں صدی ہے آپ کے متصل شیخ عبدالقادر جیلانی، اور شیخ شہاب کا زمانہ ہے (چھٹی صدی ہجری) اور ان کے ساتھ پیوست شیخ معین الدین چشتی اجمیری کا زمانہ ہے، اللہ تعالیٰ کی اس میں کیا کیا تکوینی حکمتیں ہوں گی کہ مذکورہ سب بزرگ جو ایک دوسرے کے ہم عصر اور قریب قریب زمانے کے ہیں آگے تصوف کے سلسلے زیادہ وسیع پیمانے پر انہی سے پھیلے اور آج تک قائم ہیں،

﴿بقیہ صفحہ ۹۴ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

پیارے بچّو!

مفتی ابو ریحان

ملک وملت کے مستقبل کی عمارت گری وتربیت سازی پر مشتمل سلسلہ

ہمارے ماں باپ کون اور کیا ہیں؟

ہم سب کے ماں باپ جن کو والدین اور امی ابو بھی کہا جاتا ہے، ان کا بہت بڑا درجہ اور مرتبہ ہے، ہمیشہ ماں باپ کا کہنا ماننا چاہئے اور ان کی خدمت کرنی چاہئے، اور ان کو کسی بھی طرح کی کوئی تکلیف نہیں پہنچانی چاہئے، ماں باپ کو برا بھلا کہنا، ان کو برے الفاظ کہنا اور ان کو بد دعا دینا بہت بری بات ہے، ماں باپ کی بات کو ٹھکرانا نہیں چاہئے، اور ان کے سامنے اونچی آواز سے بات بھی نہیں کرنی چاہئے، کیونکہ ہمارے ماں باپ ہی نے ہمیں کھلا پلا کر اور پال کر بڑا کیا ہے، جب ہمیں خود کھانا نہیں آتا تھا، پینا نہیں آتا تھا، ہمیں ہمارے ماں باپ ہی کھلاتے پلاتے تھے، اگر وہ ہمیں اس وقت نہ کھلاتے اور نہ پلاتے تو آج ہم بڑے ہو کر خود کھانے پینے والے نہ ہوتے، پتہ نہیں کس طرح بھوکے پیاسے اب تک مر چکے ہوتے، ہم آج تک جو زندہ ہیں یہ سب ہمارے ماں باپ کی محنت اور قربانی کی برکت ہے، ہم جب بہت چھوٹے تھے تو پیشاب پاخانہ بھی ہم کو کرنا نہیں آتا تھا، ہمارے ماں باپ نے ہمیں پیشاب پاخانہ کرنا سکھایا اور پیشاب پاخانہ جیسی گندی چیز سے ہمیں پاک اور صاف رکھا، جب ہمیں نہانا دھونا نہیں آتا تھا، اس وقت ہمارے ماں باپ ہمیں نہلاتے تھے، جس کی وجہ سے آج ہم صاف ستھرے اور صحت مند نظر آتے ہیں، ورنہ معلوم نہیں آج ہمارا کیا حال ہوتا، ہوسکتا ہے کہ ہم پیشاب پاخانہ کی گندگی اور بدبو ہی میں سڑ کر نہ مر جاتے اور ہمارے بدن میں کیڑے نہ پڑ جاتے، یہ ہمارے ماں باپ کا ہمارے اوپر کتنا بڑا احسان ہے، جس کا ہم پوری زندگی حق ادا نہیں کر سکتے۔

اسی طرح جب ہم چھوٹے تھے اور کپڑے پہننا بھی ہمیں نہیں آتا تھا، اس وقت ہمیں ہمارے ماں باپ ہمیں کپڑے پہناتے تھے، سردی کے موسم میں گرم کپڑے پہنا کر اور اوڑھا کر ہماری سردی سے حفاظت کرتے تھے، اگر ہمارے ماں باپ ایسا نہ کرتے تو شاید ہم آج زندہ بھی نہ ہوتے، کبھی کے مر چکے ہوتے۔

اسی طرح ہمیں کسی بھی نقصان اور فائدہ پہنچانے والی چیز کا پتہ نہیں تھا کہ کس چیز سے کیا فائدہ اور کیا نقصان ہوتا ہے، اگر ہمارے ماں باپ ہمیں نقصان کی چیزوں کا پتہ نہ بتاتے اور ہمیں نقصان کی چیزوں

سے نہ بچاتے تو آج نہ جانے ہماری کیا حالت ہوتی۔

ہمیں پتہ نہیں تھا کہ آگ سے انسان جل جاتا ہے، اس سے اپنے آپ کو بچانا اور دور رکھنا چاہئے، ہمارے ماں باپ نے ہمیں آگ سے بچا کر رکھا اور آگ کے نقصان کا ہمیں پتہ بتلایا، ورنہ ہم ہوسکتا ہے کہ آگ سے جل چکے ہوتے، ہمیں پتہ نہیں تھا کہ بجلی سے کرنٹ لگ جاتا ہے اور انسان فوت ہو جاتا ہے، ہمارے ماں باپ نے ہمیں بار بار بجلی سے بچا کر رکھا اور ہمیں بتلایا اور سکھلایا کہ بجلی کے کرنٹ سے بچ کر رہنا چاہئے۔ اگر ہمارے ماں باپ ہم پر یہ احسان نہ کرتے تو ہوسکتا ہے کہ ہم بجلی کا کرنٹ لگنے سے اب تک مر چکے ہوتے۔

جب ہم چھوٹے تھے ہمیں اپنے گھر کا پتہ نہیں تھا، اگر ہمارے ماں باپ ہمیں اپنے ساتھ نہ رکھتے تو ہوسکتا ہے کہ ہم کہیں گم ہو جاتے اور کوئی ہمیں پکڑ کر نہ جانے ہمارے ساتھ کیا کرتا، ہوسکتا ہے کہ ہمارے ہاتھ پاؤں توڑ دیتا، ہماری آنکھیں پھوڑ دیتا اور ہمیں اپاہج بنا کر ہمارے سے بھیک منگوانے کا کام لیتا، یا کوئی ہمیں پکڑ کر کسی کے ہاتھ بیچ دیتا اور نہ جانے ہمیں کیا کیا تکلیفیں اور اذیتیں دی جاتی۔

اسی طرح ہمیں بولنا اور چلنا پھرنا نہیں آتا تھا، ہمارے ماں باپ نے ہمیں بولنا اور چلنا پھرنا سکھایا جس کی وجہ سے آج ہم دوسروں سے بات چیت کر سکتے ہیں اور آج ہم ماں باپ کی محنتوں کی وجہ لکھنے پڑھنے کے قابل ہوگئے ہیں، آج ہم اپنے پاؤں سے چل کر ایک جگہ سے دوسری جگہ جاسکتے ہیں، اور چل پھر کر اپنے کام کاج کر سکتے ہیں۔

اگر چھوٹے ہونے کے وقت ہم بیمار ہو جاتے تھے یا کوئی تکلیف پہنچتی تھی اور اپنی زبان سے بھی نہیں ہلا سکتے تھے کہ ہمیں کیا تکلیف پہنچی ہے اور ہمارے ساتھ کیا مسئلہ اور پرابلم ہے ہمارے ماں باپ ہمیں حکیم اور ڈاکٹر کے پاس لے جا کر ہمارا علاج کرواتے تھے، ہمیں وقت پر دوا کھلاتے تھے، اور جس چیز کے کھانے پینے سے حکیم اور ڈاکٹر نے منع کیا ہوتا تھا وہ چیز ہمیں کھانے نہیں دیتے تھے، اور بیماری کے وقت فائدہ والی چیزیں لا لا کر ہمیں کھلاتے تھے، جس کی وجہ آج ہم تندرست اور صحیح سلامت ہیں، اگر ہمارے ماں باپ ہمارے ساتھ یہ محبت والا معاملہ نہ کرتے تو شاید ہم بیماری اور تکلیف میں پڑے پڑے روتے پیٹتے گل سڑ جاتے۔

جب ہم چھوٹے تھے ہمیں لکھنا پڑھنا کچھ بھی نہیں آتا، ہمارے ماں باپ نے ہمیں لکھنے اور پڑھنے کے

لئے طرح طرح کی کوششیں کیں، ہمیں پڑھانے کے لئے پیسے خرچ کیے، کتابیں لاکر دیں، ہمیں مدرسہ اور سکول تک پہنچانے میں محنت کی، ہمیں شیطان پڑھنے لکھنے سے روکتا تھا اور ہمیں ان پڑھ اور جاہل رکھوانا چاہتا تھا، ہمارے ماں باپ سے ہمیں شیطان سے بچایا، اسی طرح ہمارے ماں باپ نے ہمیں نہ جانے کتنی نقصان کی چیزوں سے بچایا

اس طرح کی وہ سب چیزیں اور وہ سب کام جو ہمیں چھوٹا ہونے کے وقت بالکل بھی نہیں آتے تھے وہ سب ہمارے ماں باپ نے ہم کو سکھلا دیئے اور بتلا دیئے۔

ان سب باتوں سے پتہ چلا کہ ہمارے ماں باپ کے ہم پر بہت بڑے بڑے احسان ہیں، اور ہم آج جو کچھ بھی ہیں وہ سب اپنے ماں باپ کی محنتوں کی وجہ سے ہیں۔

اس لئے ہمیں اپنے باپ کی جتنی بھی ہو سکے خدمت کرنی چاہئے، ان کے آرام وسکون کا ہمیں خیال رکھنا چاہئے، اور کوسی بھی قسم کی اور کبھی بھی تکلیف نہیں پہچانی چاہئے، ہم اپنے ماں باپ کے ساتھ جتنی بھی نیکی کرلیں اور ان کی کتنی بھی خدمت کرلیں کبھی بھی ہم ان کا حق ادا نہیں کر سکتے، اس لئے ہمیں اپنے ماں باپ کی خدمت کرنے کے بعد کبھی بھی یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ ہم نے ان پر کوئی احسان کیا ہے۔

ماں باپ جب بیمار یا بوڑھے ہو جائیں، اس وقت ان کی خدمت کرنے کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے، اگر آج ہم اپنے بیمار یا بوڑھے ماں باپ کی خدمت کریں گے تو اس کی برکت سے کل جب ہم بیمار یا بوڑھے ہونگے تو ہمیں بھی اپنے بڑھاپے میں ایسی اولاد ملے گی جو ہماری خدمت کرے اور ہمیں فائدہ پہنچائے، ورنہ اگر آج ہم اپنے بوڑھے ماں باپ کو تکلیف پہنچائیں گے تو اس کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ ہمیں بھی آگے ایسی اولاد دیں گے جو ہماری خدمت نہ کرے اور ہمیں تکلیف اور نقصان پہنچائے۔

ہم نے آج اپنے ماں باپ کی ان سب محنتوں کو بھلا دیا ہے اور انہوں نے جو جو ہماری خدمت کی ہے وہ سب ہمارے ذہنوں سے نکل چکی ہے، ہم آج اپنے آپ کو ماں باپ سے بڑا اور اچھا سمجھتے ہیں، اور اپنے ماں باپ کو اپنے سے گھٹیا اور برا سمجھتے ہیں، ہمارے ماں باپ ذرا سی بات ہمیں کہہ دیں تو ہمیں برداشت نہیں ہوتی، جبکہ ہمارے ماں باپ نے بچپن میں ہماری خاطر نہ جانے کیا کیا باتیں اور تکلیفیں برداشت کیں

ہم آج اپنے ماں باپ کا کہنا نہیں مانتے اور ان پر غصہ کرتے ہیں، جبکہ ہمارے ماں باپ نے ہماری سب چیزوں اور ضرورتوں کو پورا کیا اور محبت سے ہمیں پال کر بڑا کیا۔

آج ہم اپنے ماں باپ کو اپنی اسی زبان سے برا بھلا کہتے ہیں جو زبان بولنا بھی نہیں جانتی تھی اور ہمارے ماں باپ نے ہی ہمیں اس زبان سے بولنا سکھلایا۔

آج ہم اپنے ہاتھوں سے اپنے ماں باپ کی خدمت نہیں کرتے، جبکہ ہمارے ماں باپ نے ہماری خدمت ایسے وقت میں کی تھی جب ہمیں اپنے ہاتھوں سے کام بھی نہیں کرنا آتا تھا اور ہمیں ہاتھ پاؤں ہلانا بھی مشکل تھا آج ہمارے ماں باپ ہمیں کوی کام کرنے کے لئے کہدیں تو ہم نخرے کرتے ہیں اور کام نہیں کرتے، جبکہ ہمارے ماں باپ نے اس وقت ہمارے سارے کام کاج کئے، جب ہمیں چلنا بھی نہیں آتا تھا، آج ہم اپنے ماں باپ کو ایک روپیہ دینا پسند نہیں کرتے جبکہ ہمارے ماں باپ نے اپنے مال اور اپنے روپیہ پیسہ سے ہمیں کھلا کر پلا کر اور پہنا کر بڑا کیا اور ہمارے اوپر لاکھوں روپیہ خرچ کیا۔

آج ہمارے ماں باپ ہم سے کوئی بات ایک دو مرتبہ بھی معلوم کرلیں تو ہم ان پر غصہ کرتے ہیں اور ان سے بات نہیں کرتے جبکہ چھوٹا ہونے کے زمانے میں ہم اپنے ماں باپ سے ایک بات کو کئی مرتبہ پوچھتے اور معلوم کرتے تھے اور ہمارے ماں باپ ہمیں بار بار پیار سے اس کو بتا دیتے تھے۔

ہماری یہ ساری حرکتیں ہمارے ماں باپ کے ساتھ بہت بڑی ناانصافی اور ظلم ہے، اور ظلم و ناانصافی کرنے والے سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اس کو دوسروں کے ہاتھوں سے ناانصافی اور ظلم کا بدلہ دلواتے ہیں۔

دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنے والا اور ان کی خدمت کرنے والا اور ان کا کہنا ماننے والا اور ان کا ادب کرنے والا اور ان کے ساتھ محبت کرنے والا بنائے، ان کو تکلیف پہنچانے والا اور ان پر غصہ کرنے والا اور ان کی بے ادبی اور گستاخی کرنے والا نہ بنائے۔ آمین۔

Idara Ghufran

بزمِ خواتین مفتی ابوشعیب

خواتین سے متعلق بنیادی شرعی احکام اور اصلاحی مضامین کا سلسلہ

وقت کی قدر کیجئے

معزز خواتین! اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتوں میں سے ایک بڑی قابلِ قدر نعمت وقت کی نعمت ہے یہ ایک ایسی نعمت ہے کہ اس کا جتنا حصہ ہاتھ سے نکل جائے اس سے فائدہ حاصل کرنا ناممکن ہو جاتا ہے اس لئے اس کی بڑی قدر کرنی چاہئے۔

دو خاص نعمتیں

ایک حدیث شریف میں آنحضرت ﷺ نے دو چیزوں کے نعمت ہونے اور اکثر لوگوں کا ان نعمتوں سے غافل ہونے کا ایک مخصوص انداز میں احساس دلایا ہے چنانچہ ارشاد ہے:

"دو نعمتیں ایسی ہیں کہ بہت سے لوگ ان نعمتوں کے بارے میں دھوکہ میں مبتلا ہیں (ان میں سے ایک نعمت) صحت (ہے) اور (دوسری نعمت) فرصت (ہے) (صحیح بخاری کتاب الرقائق باب ماجاء فی الصحۃ والفراغ)

اس حدیث شریف سے جہاں صحت وفرصت کا نعمت ہونا معلوم ہوا وہاں یہ بھی معلوم ہوا کہ ان نعمتوں کی صحیح معنوں میں قدر کرنے والے اور ان سے کما حقہٗ فائدہ اٹھانے والے لوگ بہت کم ہیں کیونکہ اکثر لوگ دھوکہ میں ہی مبتلا رہتے ہیں چنانچہ بہت سارے لوگوں کو تو صحت وفرصت کے نعمت ہونے کا ہی احساس نہیں ہوتا اور اس میں یوں دھوکہ لگ جاتا ہے کہ جب دیکھتے ہیں کہ ہماری درخواست کے بغیر ہی ہمیں صحت وفرصت ملی ہوئی ہے تو اس کے نعمت ہونے سے توجہ ہٹ جاتی ہے یہ انسان کی فطری کمزوری ہے کہ جو چیز بھی اسے بغیر خرچ کے مل جائے اس کی عموماً قدر نہیں ہوتی۔ ایسی نعمتوں کی قدر اس وقت ہوتی ہے جب یہ نعمتیں نہ رہیں چنانچہ صحت کی قدر بیمار ومعذور ہو جانے پر ہوتی ہے، اسی طرح فرصت کے لمحات بھی عموماً کھیل کود اور فضولیات کی نذر ہو جاتے ہیں۔ ان نعمتوں کے بارے میں دوسرا دھوکہ انسان کو یہ لگتا ہے کہ صحت مند انسان عموماً یہ خیال کرتا ہے کہ میں ہمیشہ صحت مند ہی رہوں گا حالانکہ بیماری ومعذوری آتے کوئی دیر نہیں لگتی اچھے خاصے صحت مند انسان کا بیمار یا معذور ہو جانا کوئی بعید اور انوکھی بات نہیں۔ اسی طرح

قسم قسم کی ذمہ داریوں سے فارغ انسان عموماً یہ خیال کرتا ہے کہ شاید وہ ہمیشہ ایسے ہی فارغ اور مطمئن رہے گا حالانکہ ذمہ داری سر پر پڑنے اور مصروفیت و مشغولیت ہو جانے میں بھی کوئی دیر نہیں لگتی۔

وقت کی قدر و قیمت

بعض بزرگوں نے فرمایا ہے کہ جو وقت گزر چکا اس کا کوئی بدل نہیں اور آئندہ کے وقت کا کوئی اعتبار نہیں کہ کتنا وقت مزید کام کے لئے مل سکے گا کیونکہ موت کے آنے میں کتنی مدت باقی ہے کتنے سال؟ کتنے مہینے؟ کتنے دن؟ گھنٹے؟ منٹ؟ وغیرہ کسی کو کچھ معلوم نہیں اور موجودہ وقت دولت بے بہا ہے اس لئے روزانہ ہی یہ عزم تازہ کرنے کی ضرورت ہے کہ چوبیس گھنٹوں میں سے کوئی وقت بے کار نہ جائے، عموماً کھانے پینے آرام کرنے اور دیگر تقاضے پورے کرنے کے بعد کافی وقت ضائع چلا جاتا ہے روزانہ اس کا جائزہ لینے اور اپنے وقت کو مفید بنانے کی تدابیر سوچنے اور اختیار کرنے کی ضرورت ہے

ہم چوبیس گھنٹوں میں کیا کرتے ہیں؟

حضرت مفتی محمد عاشق الٰہی صاحب بلند شہری رحمہ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں:

”رات دن کے چوبیس گھنٹے ہوتے ہیں ان میں سے عام طور سے تجارت یا سروس اور محنت مزدوری میں ۸ گھنٹے خرچ ہوتے ہیں باقی ۱۶ گھنٹے کہاں جاتے ہیں؟ ان میں سے مجموعی حیثیت ۲۔۳ گھنٹے نماز کے اور کھانے کے، باقی وقت ضائع ہو جاتا ہے، اور یہ ضائع بھی ان کے بارے میں کہا جا سکتا ہے جو گناہوں میں مشغول نہ ہوں کیونکہ جو وقت گناہوں میں لگا وہ تو وبال ہے اور باعث عذاب ہے، مسلمان آدمی کو آخرت کی نجات کے لئے اور وہاں کے رفع درجات کے لئے فکر مند رہنا لازم ہے، لوگوں کو دیکھا جاتا ہے کہ ملازمتوں سے ریٹائرڈ ہو گئے، کاروبار لڑکوں کے سپرد کر دیئے دنیا کمانے کی ضرورت بھی نہیں رہی، بہت کرتے ہیں فرض نماز پڑھ لیتے ہیں یا پوتی پوتا کو گود میں لے لیتے ہیں وہ اس کے علاوہ سارا وقت یوں ہی گذر جاتا ہے کہیں بیٹھ کر باتیں کر لیں، اخبار پڑھ لیا، دنیا کی خبروں پر تبصرہ کر لیا بس یہی مشغلہ رہ جاتا ہے اور گناہوں میں جو وقت خرچ ہوتا ہے اس کے علاوہ ہے حالانکہ یہ وقت بڑے اجر و ثواب کے کاموں میں لگ سکتا ہے، ذکر میں، تلاوت میں، درود شریف پڑھنے میں اہل خانہ کو نماز سکھانے اور دینی اعمال پر ڈالنے اور تعلیم و تبلیغ میں سارا وقت خرچ

Idara Ghufran

کریں تو آخرت کے عظیم درجات حاصل ہونے کا ذریعہ بن سکتا ہے۔۵۰،۵۵ سال کی عمر میں ریٹائرڈ ہوئے، کاروبار سے فارغ ہوئے اس کے بعد برسہابرس تک زندہ رہتے ہیں۔ بہت سے لوگ ۸۰ سال بلکہ اس سے بھی زیادہ عمر پاتے ہیں۔ریٹائرڈ ہونے کے بعد یہ ۲۵،۳۰ سال کی زندگی یونہی لایعنی فضول باتوں بلکہ غیبتوں میں، تاش کھیلنے میں، ٹی وی دیکھنے میں اور وی سی آر سے لطف اندوز ہونے میں گزار دیتے ہیں نہ گناہ سے بچتے ہیں نہ لایعنی باتوں اور کاموں سے پرہیز کرتے ہیں یہ بڑی محرومی کی زندگی ہے اور گناہ تو باعث عذاب اور وبال ہیں ہی'' (ماخوذ از تبلیغی اور اصلاحی مضامین ج ۳ ص ۱۸۵ وص ۱۸۶)

گو کہ حضرت مفتی صاحب کا روئے سخن مردوں کی طرف ہے لیکن خواتین کی حالت بھی مردوں سے کچھ مختلف نہیں ہے صرف مشاغل کی نوعیت کا فرق ہے۔ چنانچہ خواتین تجارت کی بجائے گھرداری کے کاموں میں کچھ گھنٹے صرف کر لیتی ہیں اور باقی وقت میں سے چند گھنٹے مجموعی حیثیت سے دینی و دنیوی ضروریات میں استعمال کر لیتی ہیں اس کے علاوہ وقت کہاں ضائع ہو جاتا ہے اس کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔ اسی طرح بعض بڑی عمر کی خواتین گھرداری کا کام بھی بہو بیٹیوں کے سپرد کر کے اس سے بھی فارغ ہو جاتی ہیں ان کا زیادہ وقت یوں ہی گزر جاتا ہے۔

وقت سونے چاندی سے زیادہ قیمتی ہے

اکثر خواتین کو عموماً سونا چاندی بہت عزیز ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ سونے چاندی سے محبت کی وجہ سے زکوٰۃ وقربانی جیسی عبادات بھی ادا نہیں کرتیں اور سونے چاندی کو کسی حالت میں بیچنے پر بھی آمادہ نہیں ہوتیں لیکن ایسی خواتین کو معلوم ہونا چاہیے کہ زندگی کے لمحات سونے چاندی سے کہیں زیادہ بیش قیمت ہیں چنانچہ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ نے جلیل القدر تابعی حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کا قول نقل فرمایا ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ میں نے ایسے لوگوں (یعنی صحابہ کرام) کو پایا ہے جن کا اپنی عمر کے لمحات اور اوقات پر بخل سونے چاندی اور دراہم ودینار سے کہیں زیادہ تھا یعنی جس طرح عام آدمی کی طبیعت سونے چاندی کی طرف مائل ہوتی ہے۔ اور اس کو حاصل کرنے کا شوق ہوتا ہے۔اور اگر کسی کے پاس سونا چاندی آجائے۔ تو وہ اس کو بڑی حفاظت سے رکھتا ہے اور اس کو بے جگہ رکھنے سے پرہیز کرتا ہے۔ تاکہ کہیں چوری نہ ہو جائے، یا ضائع نہ ہو جائے۔ اس طرح یہ وہ لوگ تھے جو سونے چاندی سے کہیں زیادہ اپنی عمر

Iqra Ghufran

کے لمحات کی حفاظت کرتے تھے اس لئے کہ زندگی کا ایک ایک لمحہ سونے چاندی کی اشرفیوں سے کہیں زیادہ قیمتی ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ عمر کا کوئی لمحہ کسی بیکار کام میں، یا ناجائز کام میں، یا غلط کام میں صرف ہو جائے۔ وہ لوگ وقت کی قدر و قیمت پہچانتے تھے کہ عمر کے جو لمحات اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائے ہیں۔ یہ بڑی عظیم نعمت ہے کہ اس کی کوئی حد و حساب نہیں، اور یہ نعمت کب تک حاصل رہے گی؟ اس کے بارے میں ہمیں کچھ معلوم نہیں، اس لئے اس کو خرچ کرنے میں بڑی احتیاط سے کام لیتے تھے (اصلاحی خطبات ج۴ص۲۰۹)

مزید وضاحت کے لئے یوں مثال سمجھیں کہ فرض کریں ایک شخص ایک جزیرے میں گیا، اور اس جزیرہ میں ایک سونے کا ٹیلہ ہے۔ اس ٹیلے کے مالک نے اس شخص سے کہا کہ جب تک تمہیں ہماری طرف سے اجازت ہے۔ اس وقت تک تم اس میں سے جتنا سونا چاہو۔ نکال لو۔ وہ سونا تمہارا ہے۔ لیکن ہم کسی بھی وقت تمہیں اچانک سونا نکالنے سے منع کر دیں گے، کہ بس اب اجازت نہیں۔ البتہ ہم تمہیں یہ نہیں بتائیں گے کہ کس وقت تمہیں سونا نکالنے سے منع کر دیا جائے گا؟ اور اس کے بعد تمہیں جبراً جزیرے سے نکلنا پڑے گا۔ کیا وہ شخص کوئی لمحہ ضائع کرے گا؟ کیا وہ شخص یہ سوچے گا کہ ابھی تو بہت وقت ہے۔ پہلے تھوڑی سی تفریح کر کے آ جاؤں۔ پھر سونا نکالوں گا؟ وہ ہرگز ایسا نہیں کرے گا بلکہ وہ تو ایک لمحہ ضائع کئے بغیر یہ کوشش کرے گا کہ اس میں سے جتنا زیادہ سونا نکال سکتا ہوں وہ نکال لوں اس لئے کہ جو سونا نکال لوں گا وہ میرا ہو جائے گا اب اگر وہ شخص سونا نکالنے کی بجائے ایک طرف الگ ہو کر بیٹھ گیا تو بظاہر اس میں تو نہ نفع ہے نہ نقصان ہے لیکن حقیقت میں وہ بہت بڑا نقصان ہے۔ وہ نقصان یہ ہے کہ جو بہت بڑا نفع حاصل ہونا تھا وہ صرف اپنی غفلت سے چھوڑ دیا (اصلاحی خطبات ج۴ص۲۱۷)

اس لئے جو کام بظاہر غیر مضر معلوم ہوتے ہیں وہ بھی درحقیقت مضر ہی ہیں اس لئے کہ جب ان کے کرنے میں نہ دین کا فائدہ ہے اور نہ دنیا کا تو ان میں لگ کر بے کار اپنا وقت ضائع کرنا بھی دراصل بڑا نقصان ہے کیونکہ اگر اس وقت کو دینی و دنیوی مقاصد کے حصول میں استعمال کیا جاتا تو عظیم فائدہ ہوتا اور فائدہ حاصل کر سکنے کے باوجود حاصل نہ کرنا بھی درحقیقت نقصان ہی ہے۔ اگر ذرا غور کیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ موجودہ دور میں ایک عام شخص کو بھی ایسی ایسی نعمتیں میسر ہیں جن کا پہلے زمانے کے لوگ تصور بھی نہیں کر سکتے تھے اور ان نعمتوں کی وجہ سے دنوں کے کام گھنٹوں میں اور گھنٹوں کے کام منٹوں میں ہو جاتے ہیں لیکن پھر بھی یہی رونا ہے کہ جی عبادت تلاوت ذکر وغیرہ کے لئے فرصت ہی نہیں ملتی خواتین کو بھی ایسی

بہت نعمتیں میسر ہیں لیکن اس کے باوجود ان کا بھی یہی عذر رہتا ہے کہ گھر کے کام ہی ختم نہیں ہوتے، چنانچہ پہلے زمانے میں خواتین چکی پیستی تھیں اس کے مقابلے میں آج کل پسا پسایا آٹا گھر میں میسر ہوتا ہے جتنا وقت چکی چلانے میں لگتا وہ فارغ ہو گیا، پہلے زمانے میں خواتین کو کھانا پکانے کے لئے خشک لکڑیوں کا ایندھن تیار کر کے اور مٹی کا تیل وغیرہ ڈال کر آگ سلگانی پڑتی تھی آجکل صرف دیا سلائی رگڑ کر چولہے کا کان مروڑنے سے آگ جل اٹھتی ہے۔ کافی سارا وقت اس میں بچ گیا پہلے زمانے میں خواتین کو سالن تیار کرنے کے لئے مرچ مصالحہ سِل پر کوٹنا پڑتا تھا آجکل پسے پسائے مصالحہ جات دستیاب ہیں اور گھروں میں گرینڈر مشین موجود ہے جو منٹوں میں مصالحہ جات کو پیس دیتی ہے۔ کتنا وقت تو اس میں بچ گیا، پہلے زمانے میں سردیوں کے موسم میں خواتین کو برتن اور کپڑے دھونے کے لئے پانی گرم ہونے کا انتظار کرنا پڑتا تھا آجکل گھروں میں گیزر لگے ہوئے ہیں گرم پانی کی ٹونٹی کھولتے ہی گرم پانی بآسانی مہیا ہو جاتا ہے پہلے زمانے میں خواتین کپڑے ہاتھوں سے دھوتی تھیں آجکل واشنگ مشین میں بڑی سہولت کے ساتھ دھل جاتے ہیں اور وقت کی بچت بھی ہوتی ہے یہ تو چند ایک مثالیں تھیں جو سرسری طور پر سوچنے سے ذہن میں آ گئیں ورنہ غور کرنے سے اور بھی اس طرح کی نعمتیں اور ان کے نتیجے میں بچنے والے وقت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے لیکن اس کے باوجود خواتین بے تحاشا وقت ضائع کرتی ہیں جس کی کئی صورتیں ہیں مثلاً سستی ولاپرواہی سے وقت ہوتے ہوئے بھی کام نہ کرنا یا کام کی رفتار سست رکھنا، فضول باتوں اور بے فائدہ کاموں میں کافی سارا وقت ضائع کر دینا وغیرہ وغیرہ۔ اللہ تعالیٰ ہمیں وقت کی قدردانی نصیب فرمائے آمین!

﴿بقیہ متعلقہ صفحہ ۹۸ ''اخبارِ عالم''﴾

طالبان کی حیران کن مزاحمت سے مشکلات کا سامنا ہے، امریکہ ✍ **11/نومبر**: پاکستان: شکئی بارودی سرنگ دھماکے میں، حکومت کے حامی قبائلی سردار سمیت 9 جاں بحق ✍ **12/نومبر**: امریکہ: جنگی جرائم، عراقی قیدیوں پر تشدد، امریکی تنظیم رمزفیلڈ پر جرمن عدالت میں مقدمہ دائر کرے گی ✍ **13/نومبر**: پاکستان: واشنگٹن: 6 ماہ میں عراق سے امریکی فوج کی واپسی شروع کرنی ہوگی، ڈیموکریٹس (Democrates) امریکی عوام نے عراق سے فوجیوں کی واپسی کے حق میں فیصلہ دے دیا ہے، عراقی حکومت اپنے ملک کی سیکورٹی (Security) خود سنبھالے، امریکی فوج مزید نہیں رہ سکتی، عراق کے حالات سنبھالنے کے لئے تیل کی دولت کی منصفانہ تقسیم عمل میں لائی جائے، عراقی ملیشیا کے ساتھ مذاکرات کئے جائیں گے عالمی کانفرنس بھی بلائی جائے، نو منتخب ڈیموکریٹس (Democrates) کا مطالبہ۔

آپ کے دینی مسائل کاحل ادارہ

حج اور عیدُ الاضحیٰ کی قربانی میں فرق

سوال:...... جوحضرات حج کرنے کے لئے تشریف لے جاتے ہیں وہ زیادہ ترحجِ تمتع ادا کرتے ہیں اور حج کے موقعہ پردس ذی الحجہ کووہ قربانی بھی کرتے ہیں، لیکن عموماً لوگوں کو یہ بات معلوم نہیں ہوتی کہ یہ حج کی قربانی ہے یا عیدالاضحیٰ کی قربانی ہے یا دونوں طرح کی قربانی ہے، اس لئے عام طور پرحجاجِ کرام میں حج کے موقعہ پر یہ مسئلہ زیرِ بحث رہتا ہے اس لئے اس مسئلہ کی وضاحت کی جائے کہ حج اور عیدالاضحیٰ کی قربانی الگ الگ ہیں یا ایک ہی ہیں، اور اگر الگ الگ ہیں تو حاجی پر حج کے علاوہ عیدالاضحیٰ کی قربانی بھی لازم ہے یا نہیں، اور اگر لازم ہے تو اس قربانی کو منیٰ میں کرنا ہی ضروری ہے یا اپنے وطن میں بھی کی جا سکتی ہے، مسئلہ ھٰذا کی پوری تفصیل واضح کردی جائے تاکہ کسی قسم کا شبہ باقی نہ رہے؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جواب:...... واقعتاً بہت سے ناواقف لوگ عیدلاضحیٰ اور حج کی قربانی میں فرق نہیں سمجھتے، حالانکہ یہ دونوں قربانیاں الگ الگ ہیں، اور حج کی مخصوص قربانی اور عیدالاضحیٰ والی قربانی میں کئی طرح سے فرق ہے چنانچہ حجاج کرام حج تمتع کرنے کی صورت میں جو جانور دسویں تاریخ میں قربان کرتے ہیں وہ دمِ شکر کہلاتا ہے، اور یہ قربانی حج وعمرہ کی ادائیگی کے شکریہ میں کی جاتی ہے، اسی لئے اس کو دمِ شکر بھی کہا جاتا ہے، اور جو عیدالاضحیٰ کی قربانی ہوتی ہے وہ ہر مقام پر رہنے والے مالدار (نصاب والے) مقیم شخص پر واجب ہے یہ قربانی حاجی کے ساتھ خاص نہیں اور نہ ہی اس قربانی کو منیٰ میں کرنا ضروری ہے اور حج والی قربانی یعنی دمِ شکر یہ حاجی کے ساتھ خاص ہے اور منیٰ یا حرم کی حدود میں کرنا ضروری ہے۔

اب عیدالاضحیٰ والی قربانی بھی حاجی پر لازم ہے یا نہیں؟ اس بارے میں یہی تفصیل ہے جو ذکر کی گئی کہ اگر کوئی حج کرنے والا قربانی کے دنوں میں مسافر ہو یا وہاں نصاب کا شرعی اصولوں کے مطابق مالک نہ ہو یا اور کوئی شرط نہ پائی جارہی ہو، تو اس پر عیدالاضحیٰ والی قربانی لازم نہیں۔ صرف حج کی قربانی یعنی دمِ شکر کردینا کافی ہے اور اگر حاجی میں عیدالاضحیٰ کی قربانی واجب ہونے والی تمام شرائط موجود ہوں مثلاً وہاں قربانی کے دنوں میں شرعی اصولوں کے مطابق مقیم ہو اور قربانی کے دنوں میں وہ عیدالاضحیٰ کی قربانی کے نصاب کا

مالک ہے تو پھر اس دمِ شکر (حج کی قربانی) کے علاوہ عیدالاضحیٰ کی قربانی بھی واجب ہے۔

یہ عیدالاضحیٰ کی قربانی وہ خواہ منٰی میں ذبح کرے یا اپنے وطن میں کرادے۔ کیونکہ عیدالاضحیٰ کی قربانی حج یا منٰی کے ساتھ خاص نہیں۔

البتہ یہ عیدالاضحیٰ والی قربانی اپنے وطن میں کرانے کی صورت میں دیکھنا ہوگا کہ اس کے وطن میں قربانی کی تاریخ سعودی عرب کی تاریخ سے مختلف تو نہیں؟ اگر مختلف ہو تو پھر یہ ضروری ہوگا کہ جس کی طرف سے قربانی کی جارہی ہے، اور وہ جس جگہ موجود ہے وہاں کے اعتبار سے قربانی کا وقت شروع ہو چکا ہو (یعنی دس ذی الحجہ کی صبح صادق ہو چکی ہو) اور قربانی کا ختم نہ ہوا ہو (یعنی بارہ ذی الحجہ کے دن کا سورج غروب نہ ہوا ہو)

چنانچہ اگر سعودی عرب کی تاریخ ایک دن آگے ہے اور وہاں پر مقیم شخص کی عیدالاضحیٰ والی قربانی مثلاً پاکستان میں کرائی جارہی ہے، اور یہاں کی تاریخ سعودی عرب سے ایک دن پیچھے ہے تو یہاں کے تیسرے دن یعنی بارہ ذی الحجہ کو (جبکہ سعودی عرب میں بارہ تاریخ گذر چکی ہو) تو اس وقت یہ قربانی کرنا درست نہ ہوگا، کیونکہ قربانی کرانے والے کے اعتبار سے قربانی کا وقت ختم ہو چکا ہے اور اب اس کے ذمہ قربانی کے بجائے صدقہ لازم ہو چکا ہے (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو''ذی الحجہ اور قربانی کے فضائل واحکام'' صفحہ ۹۵، ۹۶، مطبوعہ ادارہ غفران، راولپنڈی)

بہت سے ناواقف حاجی صاحبان حج والی مخصوص قربانی یعنی دمِ شکر کو عیدالاضحیٰ والی قربانی سمجھ کر اسی نیت سے ادا کرتے ہیں جو کہ غلط ہے۔

اگر خدانخواستہ کسی شخص نے حج (تمتع یا قِران) کی قربانی کو عیدالاضحیٰ والی قربانی سمجھ کر ادا کیا تو اس کا دمِ شکر ادا نہیں ہوگا اور اگر اس نے حج کی قربانی سے پہلے احرام کھول دیا تو اس پر دمِ شکر کے علاوہ ایک اور دم بھی ترتیب کی خلاف ورزی کرنے کی وجہ سے لازم ہو جائے گا۔ پھر اگر اس شخص نے ایامِ نحر یعنی ۱۰/۱۱/۱۲ ذی الحجہ کے اندر یہ دمِ شکر ادا نہیں کیا اور بارہ تاریخ کا بھی غروب ہو گیا تو تاخیر کی وجہ سے تیسرا دم بھی لازم ہو جائے گا۔ اس طرح اس غلطی کی وجہ سے اسے عیدالاضحیٰ کی قربانی سمیت چار قربانیاں کرنی پڑیں گی۔ اور حج مبرور ومقبول سے محرومی کا بھی خدشہ ہوگا (کذا فی احسن الفتاویٰ جلد ۴ صفحہ ۵۷۸)

فقط واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم

محمد رضوان۔ ۲۰/ ۱۰/ ۱۴۲۷ھ۔ دارالافتاء ادارہ غفران، راولپنڈی

کیا آپ جانتے ہیں؟ ترتیب: مفتی محمد یونس

دلچسپ معلومات، مفید تجزیات اور شرعی احکامات پر مشتمل سلسلہ

سوالات وجوابات

مدیر ادارہ مولانا مفتی محمد رضوان صاحب زیدمجدہم بروز جمعہ نمازِ جمعہ کے بعد مسجد امیر معاویہ کوہاٹی بازار میں ایک عرصہ سے اجتماعی انداز میں لوگوں کے سوالات کے جوابات زبانی طور پر بیان فرماتے ہیں، اور اس کے ذیل میں کئی مفید علمی واصلاحی باتیں بھی بیان فرماتے ہیں، اس نشست کے سوالوں اور جوابوں کے مذاکرہ کو ریکارڈ کرلیا جاتا ہے اب افادۂ عام کے لئے ٹیپ کی مدد سے ان کو نقل کر کے ماہنامہ التبلیغ میں سلسلہ وار شائع کیا جارہا ہے، ملحوظ رہے کہ درج ذیل مضامین کو ریکارڈ کرنے کی خدمت مولانا محمد ناصر صاحب نے، ٹیپ سے نقل کرنے کی خدمت مولانا ابرار ستی صاحب نے اور نظرِ ثانی، ترتیب وتخریج نیز عنوانات قائم کرنے کی خدمت مولانا مفتی محمد یونس صاحب نے انجام دی ہے، اللہ تعالیٰ ان سب کی خدمات کو شرفِ قبولیت عطا فرمائیں......ادارہ

(محرم ۱۴۲۵ھ، بروز جمعہ)

دھواں سانس کے ذریعہ اندر جانے سے روزہ کا حکم

سوال:...... اگر روزہ کی حالت میں دیا سلائی جلائی جائے یا اگر بتی جلائی جائے اور اس کا دھواں منہ اور حلق میں ناک کے ذریعے محسوس ہو، اسی طرح اگر عام گرد وغبار اور گاڑیوں وغیرہ کا دھواں سانس کے ذریعے اندر چلا جائے تو کیا روزہ ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟ یا مکروہ ہوجاتا ہے یا نہیں؟

جواب:...... دیا سلائی یا اگر بتی اگر جلائی جائے اور اسے اپنے ارادہ سے اس طرح سونگھا جائے کہ دھواں واقعی اندر چلا جائے تو اس طرح کرنے سے بلاشبہ روزہ ٹوٹ جائے گا، اس لئے کہ اس طرح سونگھنے سے دھویں کا واقعی وجود اندر چلا جاتا ہے، جس طرح سگریٹ کا دھواں ہے کہ اگر کوئی خود سگریٹ پی نہ رہا ہو بلکہ پینے والے کے قریب بیٹھا ہو اور بالکل قریب سے سونگھ کر دھواں اندر لے جارہا ہو تو ظاہر ہے کہ اس طرح روزہ ٹوٹ جائے گا لیکن فضا میں اگر دھواں موجود ہو، جیسا کہ آج کل شہروں میں باہر روڈ اور سڑکوں پر گاڑیوں وغیرہ کا دھواں ہوتا ہے، اور اسی طرح آج کل گرد وغبار، دھول اور مٹی بہت ہے

تو اس کے اندر جانے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا، کیونکہ اولاً تو یہ دھواں اور گرد وغبار فضاء میں محلول ہو کر پہنچ رہا ہے دوسرے اس سے بچنا بھی دشوار ہے، تیسرے اس کو جان بوجھ کر قصداً نہیں لے جایا جا رہا، کیونکہ یہاں تو سانس لینا مقصود ہے دھویں کو اندر لے جانا مقصود نہیں، یہی حال اگربتی کا ہے کہ اگر مثلاً بتی جلائی اور جلا کر سانس کے ذریعے اس کے دھویں کو قصداً کوئی اندر لے گیا تو روزہ ٹوٹ جائے گا لیکن اگر اگربتی جلی ہوئی ہو اور اس کی خوشبو پھیل رہی ہو اور ہوا کے ساتھ خوشبو کے اجزاء اندر پہنچ رہے ہوں یعنی وہ اجزاء ہوا میں پہنچ رہے ہوں اور ہوا اس طرح معطر ہو کر اندر پہنچ رہی ہو تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ [1]

جہاں جاندار کی تصویر ہو وہاں نماز پڑھنے کا حکم

سوال: …… جس جگہ جاندار کی تصویر ہو خواہ لٹکی ہوئی ہو یا اخبار اور رسالے میں موجود ہو، تو وہاں نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

جواب: …… اگر جاندار کی تصویر نمایاں ہو اور ڈھکی چھپی ہوئی نہ ہو، تو اگر نمازی کے چہرے کے بالکل سامنے ہو تو نماز مکروہ تحریمی ہوگی اور دائیں طرف ہو تب بھی مکروہ ہوتی ہے بائیں طرف ہو تب بھی مکروہ ہوتی ہے اوپر ہو تب بھی مکروہ ہوتی ہے پیچھے ہو تب بھی مکروہ ہوتی ہے البتہ پیچھے ہونے کی صورت میں کراہت نسبتاً کم ہوتی ہے، لیکن ایسی تصویروں کا بغیر شرعی اجازت کے رکھنا گناہ ہوتا ہے ہاں مگر جب کہ کپڑے یا کسی اور چیز میں لپٹی ہوئی ہوں تو گناہ نہیں۔

بہرحال اس مسئلہ میں تفصیل یہ ہے کہ اگر تصویر بالکل چھپی ہوئی ہے یعنی اس کا تصویر والا حصہ نیچے ہے یا دبا ہوا ہے یا الماری میں ہے یا نمازی سے اتنی دور ہے کہ یہاں سے صاف نظر نہیں آ رہی، تو ان میں سے کسی صورت میں نماز مکروہ نہیں ہوگی، لیکن اگر سامنے ہو اور اتنی بڑی تصویر ہو کہ جہاں یہ کھڑا ہے وہاں سے بالکل صاف نظر آ رہی ہے یا اسی حالت میں اوپر ہے یا دائیں طرف ہے یا بائیں طرف ہے تو ان صورتوں میں مکروہ ہوگی، زیادہ مکروہ سامنے ہونے کی صورت میں ہوگی، پھر اوپر یعنی نمازی کے سر پر معلق اور لٹکی ہوئی یا لگی ہوئی ہونے کی صورت میں، پھر دائیں طرف، پھر بائیں طرف پھر پیچھے، اس لیے اگر تصویر کہیں رکھی ہوئی ہو اور نماز پڑھنی پڑ جائے تو اس کا بہتر حل تو یہی ہے کہ اسے وہاں سے نکال دیا جائے، نہیں تو کہیں الماری وغیرہ میں چھپا دی جائے یا الٹا کر دیا جائے، غرضیکہ کسی بھی طرح سے اس کے چہرہ

---

[1] (ملاحظہ ہو: بہشتی زیور، تیسرا حصہ ص ۱۱، بحوالہ شرح التنویر، نیز ملاحظہ ہو "رمضان المبارک کے فضائل و احکام ص ۱۰۴)

والے حصہ کو اس طرح چھپا اور ڈھانپ دیا جائے کہ نماز کی حالت میں نظر نہ آئے۔ ۱؎

نمازی کے سامنے لگے ہوئے آئینہ میں نمازی کا عکس نظر آنا

سوال:...... اگر مسجد میں سامنے کی طرف ایسے شیشے لگے ہوئے ہوں جن میں نمازی کا عکس نظر آئے تو کیا نماز ہو جائے گی؟

جواب:...... اس سلسلے میں مسئلہ یہ ہے کہ مسجد میں اس طرح کا نقش ونگار کرنا کہ جس سے نمازیوں کی توجہ بٹے مکروہ ہے اور ظاہر ہے کہ جب ایسے شیشے لگائے جائیں گے کہ ان میں نماز کی حالت میں نظر بھی آرہا ہوگا تو ہر دفعہ نمازی شیشوں میں نظر آنے والی چیزوں کا جائزہ لے گا اور اس کی توجہ بٹے گی تو نماز مکروہ ہو جائے گی لیکن چونکہ یہ عکس ہے تصویر نہیں ہے اس لیے مکروہ تحریمی نہیں ہوگی تنزیہی ہوگی، یعنی خشوع کے خلاف ہو جائے گی، اور ثواب میں کمی آجائے گی۔ ۲؎

لہٰذا جس نے لگایا نہیں اور وہ نماز پڑھ رہا ہے تو اس کے لیے حکم یہ ہے کہ وہ اپنی توجہ ادھر نہ کرے باقی لگانے والے اس کے جوابدہ ہیں کہ انہوں نے مسجد میں ایسا نقش ونگار کیوں کیا جس سے کسی نہ کسی کی نماز میں خلل آرہا ہے تو اس میں لگوانے والے اور انتظامیہ والے مجموعی طور پر اس کے ذمہ دار سمجھے جائیں گے، اس لیے مسجد میں اس طرح کی چیزیں نہیں لگانی چاہئیں۔ ۳؎

مسجد میں آسائش، زیبائش اور نمائش کرنے کا حکم

اس سلسلہ میں یہ بھی فرمایا کہ:

مسجد میں سادگی رکھنی چاہئے البتہ سادگی کے ساتھ خوبصورتی بھی پیدا کر لی جائے تو کچھ حرج نہیں بلکہ کسی قدر مستحسن ہے لیکن نمائش درست نہیں، نمائش اور خوبصورتی میں فرق ہے نمائش وہ ہوتی ہے جس میں تکلف ہوتا ہے، اسراف ہوتا ہے، نام ونمود ہوتا ہے، اور زینت یہ ہوتی ہے کہ مثلاً مسجد کے اندر ایسا انداز اختیار کر لیا جس سے مسجد اچھی محسوس ہو اس سلسلہ میں تفصیل یہ ہے کہ سب سے پہلا درجہ رہائش کا ہے کہ مسجد کی مضبوطی قائم کی جائے اور دوسرا درجہ آسائش کا ہے کہ اس میں آرام اور راحت کے اسباب مہیا کیے جائیں، اور تیسرا درجہ زیبائش کا ہے کہ زیب وزینت بھی کر لی جائے یہ بھی جائز ہے۔

۱؎ (ملاحظہ ہو: تصویر کے شرعی احکام ص ۵۷ وص ۸۰، بہشتی زیور دوسرا حصہ ص ۲۵ مع حاشیہ، احسن الفتاویٰ ج ۳ ص ۴۲۷)

۲؎ (ملاحظہ: خیر الفتاویٰ ج ۲ ص ۴۳۱، احسن الفتاویٰ ج ۳ ص ۴۱۳ بحوالہ مراقی ص ۱۹۸)

۳؎ (ملاحظہ ہو: خیر الفتاویٰ ج ۲ ص ۲۰۷ وص ۲۱۷، احسن الفتاویٰ ج ۶ ص ۴۵۹ بحوالہ شامی ج ۱ ص ۶۵۸)

اور زیادہ سے زیادہ اس کو آگے بڑھائیں تو مستحب ہوسکتا ہے پہلے والے درجے فرض یا واجب یا سنت کے درجے میں ہیں ظاہر ہے کہ مسجد میں اگر گرمی سردی سے حفاظت کا معقول انتظام ہوگا تو اس میں زیادہ یکسوئی اور توجہ ہوگی اس لئے یہ چیزیں تو ٹھیک ہیں مگر خوبصورتی پیدا کرنا اتنی اہمیت نہیں رکھتا لیکن چونکہ صاف اور خوبصورت جگہ دیکھ کر انسان کے دل میں اس جگہ کی عظمت اور احترام پیدا ہوتا ہے کہ بڑی عظیم اور صاف ستھری جگہ ہے، اس وجہ سے اس کا بھی ایک درجہ ہے لیکن اس سے اگلا درجہ نمائش کا ہے جس میں تکلفات جمع کر لیے جائیں یا نیت فاسد ہو جائے۔

اور نیت فاسد یہ ہے کہ مثلاً انتظامیہ اپنی ناک اونچی کرنے کے لیے اور دوسری مسجد والوں پر فوقیت جتلانے کے لیے اس میں زیادہ تکلفات برت رہی ہے یا زیب وزینت میں مسجد کا پیسہ تعاون کرنے والوں کی اجازت کے بغیر استعمال کیا جارہا ہے ان سے لیا تعمیر کے نام پر اور لگایا زیب وزینت میں جارہا ہے، یہ جائز نہیں ہے، ایسی صورت میں انتظامیہ پر تاوان آتا ہے کہ جتنا پیسہ زیب زینت میں لگا دیا اتنا اپنی جیب سے دینا ضروری ہے۔ [1]

آج کل مسجد کی انتظامیہ عموماً بے دین ہوتی ہے

اس سلسلہ میں یہ بھی فرمایا کہ:

آجکل عموماً لوگوں نے مسجد کی خدمت کو بھی حلوہ بے دودھ سمجھ رکھا ہے خدمت بھی جھاڑو دینے والی نہیں، نالی صاف کرنے والی نہیں، بلکہ یہ والی کہ جس میں شان وشوکت ظاہر ہو اور دین سے دور اور کھڑپینچ اور شریر قسم کے لوگ اور زیادہ پیسے والے مالدار لوگ چاہے ان کے پاس حرام کا پیسہ ہو یا حلال کا، ایسے لوگ آج کل مسجد کی انتظامیہ میں زیادہ تر ہوتے ہیں، حالانکہ یہ بالکل مسجد کی تعمیر، مسجد کی بنیاد اور مسجد کی ذمہ داریوں کی روح کے خلاف ہے، ایسے لوگوں کو کہ جن کی دین میں کوئی وقعت نہیں ہے بلکہ وہ فاسق وفاجر ہیں، گناہوں میں مبتلا ہیں، ایسے لوگوں کو اللہ کے گھر میں ذمہ داری دے کر ان کی عظمت اور احترام بڑھانا یہ گناہ ہے، جس طرح فاسق وفاجر کو امامت کے لیے منتخب کرنا امامت کی توہین ہے، اسی طرح ایسے نافرمانوں کو اللہ کے گھر کا ذمہ دار بنا دینا یہ بھی گناہ ہے، اس دور کا بہت بڑا المیہ یہ ہے کہ مسجد کے تمام معاملات انجام دینے والے عموماً جاہل ہیں دین سے ناواقف ہیں اور ناواقف ہی نہیں بلکہ کھڑپینچ اور شریر

---

[1] (ملاحظہ ہو: شامی ج ۱ ص ۶۵۸، اصلاحی خطبات ج ۲ ص ۵۵، ۶۵، احسن الفتاویٰ ج ۶ ص ۴۵۹)

قسم کے لوگ زیادہ ہیں اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اب اللہ کے گھروں کی ہر چیز میں ان کے وہ اثرات ظاہر ہو رہے ہیں، یہ لوگ امامت وخطابت کی تشکیل میں بھی اپنے جیسوں کو پسند کرتے ہیں ان کو نہیں پسند کرتے جو دین کو صحیح صحیح بیان کریں کیونکہ جو حضرات دین کو صحیح صحیح بیان کریں گے، ان کی باتیں بددین اور فاسق وفاجر لوگوں کے بھی خلاف ہوتی ہیں جس کی زد میں اس قسم کے انتظامیہ کے لوگ بھی آجاتے ہیں، اس لئے یہ انتظامیہ کے لوگ امامت وخطابت کے لئے صحیح دین دار اور مضبوط علم رکھنے والے لوگوں کو پسند نہیں کرتے، بلکہ اپنی من مانی کی پابندی اور ماتحتی کرنے والوں کو پسند کرتے ہیں اور اس طرح سے مسجد کے بے شمار انتظامی معاملات میں بھی اس کے اثرات ظاہر ہوتے ہیں۔

اگر اس چیز کی اصلاح کی طرف توجہ نہ کی گئی تو مسجد کے حالات مزید بگڑ جانے کا خطرہ ہے۔

اپنی مرضی سے نکاح کرنے کا حکم

سوال:...... زید حافظ قرآن دیندار مالدار اور اچھے حسب نسب والا ہے جبکہ ہندہ حافظِ قرآن نہیں ہے زید سے زیادہ مالدار نہیں ہے دینداری میں بس ٹھیک ہی ہے حسب ونسب زید کے ساتھ کا ہے فرق اتنا ہے کہ ہندہ زید سے زیادہ پڑھی لکھی ہے کیا اس صورت میں ہندہ اپنی مرضی سے زید سے نکاح کرسکتی ہے؟

جواب:...... پہلے تو یہ معلوم کرنا چاہئے کہ ہندہ اپنی مرضی سے زید سے نکاح کیوں کرنا چاہتی ہے؟ اس کے والدین راضی ہیں یا نہیں، اگر راضی نہیں ہیں تو کیوں نہیں ہیں، اور والدین یہاں راضی نہیں تو وہ ہندہ کا نکاح کہاں کرنا چاہتے ہیں؟ بات یہ ہے کہ جب معاملہ احسن طریقے پر حل ہوجاتا ہو تو اس کو خراب طریقے پر آگے نہیں بڑھانا چاہیئے، پہلے کوشش یہ کرنی چاہئے کہ معاملہ اچھے طریقے پر حل ہوجائے، اچھے طریقے پر حل نہیں ہو رہا تو اس کی کوئی معقول وجہ بھی پیش کی جائے پھر یہ بھی واضح کیا جائے کہ والدین اپنی لڑکی بددین شخص کے نکاح میں دینا چاہتے ہیں جہاں اس لڑکی کا دین تباہ ہوگا، اور لڑکی اس لئے منع کرتی ہے؟ یا کوئی اور وجہ ہے؟ بہرحال پوری تفصیلات ذکر کرکے بتایا جائے کہ ان کے والدین ہندہ کا نکاح کہاں کرنا چاہتے ہیں؟ اور وہاں کیوں کرنا چاہتے ہیں؟

نکاح اور بھی کئی پہلو ہوتے ہیں، سب پہلوؤں کو اور سب چیزوں کو پہلے ہی سوچ لینا چاہئے کہ جہاں نکاح کا سوچا جارہا ہے وہاں اچھے طریقے پر نباہ ہوسکے گا یا نہیں؟ یہ نہیں کہ بس دین دیکھ لیا یا مالداری دیکھ لی یا حسب نسب دیکھ لیا، باقی چیزوں کو نہیں دیکھا۔ دین کے رنگ بھی مختلف ہوتے ہیں، ایک فریق ایسا ہے کہ

مجاہدہ برداشت کر لیتا ہے، مگر دوسرا فریق مجاہدہ برداشت نہیں کر سکتا، تو اس طرح کے متضاد مزاج رکھنے والوں کا باہم نکاح ہونے کے بعد آپس میں ٹکراؤ پیدا ہوگا، اس لیے اس قسم کی سب چیزوں کو بھی دیکھ لینا چاہئے کہ بعد میں میاں بیوی کی گاڑی چلے گی بھی یا نہیں؟ اور تمام حالات کا جائزہ لے کر دونوں طرف کے مزاجوں کو دیکھ کر نکاح کا تعین کرنا چاہئے۔

اگر چہ ایک عاقل، بالغ لڑکی اپنے کفو اور جوڑ میں اپنا نکاح والدین یا ولی کی رضامندی کے بغیر کرے تو ضابطہ کے طور پر نکاح ہو جاتا ہے، لیکن کیونکہ نکاح سے پہلے تجربہ کی کمی ہوتی ہے اور سارے پہلوؤں پر نظر نہیں ہوتی، اور والدین تجرباتی مراحل سے گذر چکے ہوتے ہیں، اس لئے ان کے سامنے سب پہلو ہوتے ہیں، اس لئے بہتر یہی ہے کہ معاملہ خوش اسلوبی سے حل کر لینا چاہئے، اور صرف ضابطہ کی کاروائی سے ممکنہ حد تک بچنا چاہئے، ہاں مگر یہ کہ کوئی سخت مجبوری پیش آ جائے۔

چست اور خوبصورت برقعہ پہننے کا حکم

سوال:...... بعض خواتین چست اور خوبصورت قسم کا برقعہ پہنتی ہیں جس سے ان کے مخصوص اعضاء میں مزید کشش پیدا ہو جاتی ہے، کیا ان کو اس قسم کا برقعہ پہننا شریعت کی رُو سے درست ہے؟

جواب:...... شریعت نے ایسا برقعہ پہننے سے منع کیا ہے جو چست ہونے کی وجہ سے اندر کے اعضاء کی ساخت اور خدوخال کو نمایاں کرے، برقعے کا مقصد یہ نہیں ہے کہ پہلے جسم ننگا تھا اس لئے برقعہ پہن لیا، بلکہ جسم پر پہلے سے کپڑے تھے لیکن وہ کپڑے خوبصورت تھے، اس کی وجہ سے عورت کے اعضاء کی خوبصورتی باہر کے اعتبار سے نمایاں ہو رہی تھی، تو اس ظاہری خوبصورتی کو چھپانے کے لیے برقعے کا حکم دیا گیا ہے، اگر برقعہ اتنا مزین ہو کہ اتنے مزین اندر کے کپڑے بھی نہیں اندر کے کپڑے سڑے بھسے ہیں اور اوپر سے اچھا خاصا بیل دار، گوٹے دار، چمکدار اور بھڑک دار برقعہ پہن لیا تو وہی لطیفہ ہوگا جو حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے بیان فرمایا ہے کہ بعض عورتیں اوپر سے ایسا برقعہ پہن لیتی ہیں جس پر ایسی چین اور بیل لگی رہتی ہے کہ دیکھنے والے کا دل بے چین ہو جاتا ہے اور وہ سوچتا ہے کہ کوئی حور کی بچی ہوگی اگر چہ اندر سے چڑیل کی ماں ہی کیوں نہ نکلے۔ تو ظاہر ہے کہ یہ تو فتنہ پیدا کرنے کا ذریعہ ہے ایسی عورت کی طرف مردوں کو مزید کشش پیدا ہوگی اور ان کی توجہ مزید بڑھے گی تو اس میں گناہ ہوگا۔ [۱]

---

[۱] (ملاحظہ ہو: عورت کے لباس اور پردہ کے شرعی احکام ص ۹۶)

عبرت کدہ ﴿اِنَّ فِیْ ذَالِکَ لَعِبْرَۃً لِّاُولِی الْاِبْصَارِ﴾ مولوی طارق محمود

عبرت وبصیرت آمیز حیران کن کائناتی تاریخی اور شخصی حقائق

حضرت ابراہیم علیہ السلام (قسط۴)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم کو دعوتِ اسلام

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اپنے والد آزر کے ساتھ جب اتفاق کی کوئی صورت نہ بنی اور آزر نے کسی طرح بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوتِ ہدایت کو قبول نہ کیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آزر سے جدائی اختیار کرلی، اور اپنی دعوتِ حق اور پیغامِ رسالت کو وسیع کردیا اور اب صرف آزر ہی مخاطب نہ رہا بلکہ پوری قوم کو اپنی دعوت کا مخاطب بنالیا، مگر قوم ایسی ہٹ دھرم تھی کہ وہ کسی طرح اپنے باپ دادا کے دین کو چھوڑنے پر آمادہ وتیار نہ ہوئی، قوم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایک نہ سنی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت کے سامنے اپنے باطل معبودوں کی طرح گونگے، اندھے اور بہرے بن گئے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم کے کان تھے مگر حق کے آواز سننے سے بہرے تھے، آنکھیں موجود تھیں لیکن حق کی بصارت سے محروم تھیں، زبان میں بولنے کی قوت موجود تھی لیکن حق بات کے لئے گونگی تھی، گویا کہ قرآن مجید کی اس آیت کا مصداق بن گئے تھے:

لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ. اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ (سورہ انعام آیت ۱۷۹)

ترجمہ: ان کے دل ہیں پر سمجھتے نہیں، ان کی آنکھیں ہیں پر دیکھتے نہیں، اور ان کے کان ہیں پر ان سے سنتے نہیں، یہ چوپاؤں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ بے راہ ہیں، یہی ہیں جو غفلت سے سرشار ہیں۔

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت کو بالکل رد کردیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سے تاکید کے ساتھ پوچھا کہ ذرا یہ تو بتاؤ کہ جن معبودوں کی تم پرستش کرتے ہو یہ تم کو کسی قسم کا نفع ونقصان بھی پہنچاتے ہیں یا نہیں؟ تو ان کی قوم جواب میں کہنے لگی کہ ہم ان جھگڑوں میں

Idara Ghufran

نہیں پڑنا چاہتے ہم تو صرف اتنا جانتے ہیں کہ ہمارے باپ دادا کا یہی طریقہ تھا اور وہ یہی کرتے چلتے آئے ہیں لہٰذا ہم بھی ان کی تابعداری میں ان کے راستے پر چل رہے ہیں، تب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک خاص انداز سے اللہ تعالیٰ کی جانب اپنی قوم کی توجہ دلائی حضرت ابراہیم علیہ السلام فرمانے لگے میں تو تمہارے ان سب بتوں کو اپنا دشمن جانتا ہوں اور میں ان بتوں سے بے خوف وخطر ہوکر ان سے اعلانِ جنگ کرتا ہوں، اگر یہ بت میرا کچھ بگاڑ سکتے ہیں تو بگاڑ لیں۔

میرا عقیدہ اور میں جس چیز کی طرف دعوت دے رہا ہوں وہ یہی ہے کہ میں تمام جہانوں کے پروردگار کو اپنا مالک سمجھتا ہوں، وہ ایسی ذات ہے جس نے مجھ کو پیدا کیا اور ہدایت کا راستہ دکھایا، وہی ذات مجھ کو کھلاتی پلاتی یعنی رزق دیتی ہے، اور جب میں بیمار ہو جاتا ہوں تو مجھ کو شفا دیتی ہے، وہی اللہ تعالیٰ ہے جو مجھے موت دے گا اور قیامت کے دن مجھ کو زندہ کر کے اٹھائے گا، اور اپنی خطا کے وقت میں اسی رب العلمین سے یہ توقع رکھتا ہوں کہ وہ قیامت کے دن میری خطائیں بخش دے گا، اور میں اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتا ہوں کہ اے میرے پروردگار! تو مجھ کو صحیح فیصلہ کی قوت عطا فرما اور مجھ کو نیکوکاروں کی فہرست میں داخل کر اور مجھ کو زبان کی سچائی عطا کر اور جنتِ نعیم کے وارثوں میں شامل کر۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس اندازِ خطابت کو جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد اور قوم کے سامنے پیش کیا قرآن مجید کی سورہ شعراء میں اس طرح بیان کیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ اِبْرٰهِيْمَ (۶۹) اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا تَعْبُدُوْنَ (۷۰) قَالُوْا نَعْبُدُ اَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِيْنَ (۷۱) قَالَ هَلْ يَسْمَعُوْنَكُمْ اِذْ تَدْعُوْنَ (۷۲) اَوْ يَنْفَعُوْنَكُمْ اَوْ يَضُرُّوْنَ (۷۳) قَالُوْا بَلْ وَجَدْنَآ اٰبَآءَ نَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ (۷۴) قَالَ اَفَرَءَ يْتُمْ مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ (۷۵) اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُ كُمُ الْاَقْدَمُوْنَ (۷۶) فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْٓ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ (۷۷) الَّذِيْ خَلَقَنِيْ فَهُوَ يَهْدِيْنِ (۷۸) وَالَّذِيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَيَسْقِيْنِ (۷۹) وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ (۸۰) وَالَّذِيْ يُمِيْتُنِيْ ثُمَّ يُحْيِيْنِ (۸۱) وَالَّذِيْٓ اَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَلِيْ خَطِيْٓئَتِيْ يَوْمَ الدِّيْنِ (۸۲) رَبِّ هَبْ لِيْ حُكْمًا وَّ اَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ (۸۳) وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ (۸۴) وَاجْعَلْنِيْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيْمِ (۸۵) وَاغْفِرْ لِاَبِيْٓ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّيْنَ (۸۶)

وَلَا تُخْزِنِیْ یَوْمَ یُبْعَثُوْنَ(۸۷) یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ(۸۸) اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰہَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ(سورہ شعرا، ۸۹)

ترجمہ: اور سنادے ان کو خبر ابراہیم کی جب کہا اپنے باپ کو اور اپنی قوم کو تم کس کو پوجتے ہو، وہ بولے ہم پوجتے ہیں مورتیوں کو اور پھر سارے دن انہیں کے پاس لگے بیٹھے رہتے ہیں، کہا کچھ سنتے ہیں تمہارا جب تم پکارتے ہو، یا کچھ بھلا کرتے ہیں تمہارا یا برا، بولے نہیں، پر ہم نے پایا ہے اپنے باپ دادوں کو یہی کام کرتے، کہا، بھلا دیکھتے ہو جن کو پوجتے رہے ہو تم اور تمہارے باپ دادے اگلے، سو وہ میرے دشمن ہیں مگر جہان کا رب جس نے مجھ کو بنایا ہے سو وہی مجھ کو راہ دکھلاتا ہے اور وہ جو مجھ کو کھلاتا ہے اور پلاتا ہے اور جب میں بیمار ہو جاؤں تو وہ مجھے شفا دیتا ہے، اور وہ جو مجھ کو مارے گا اور پھر زندہ کرے گا، اور جس سے مجھ کو توقع ہے کہ بخشے میری خطا انصاف کے دن، اے میرے رب دے مجھ کو حکم اور ملا مجھ کو نیکوں میں، اور رکھ میرا بول سچوں میں، اور کر مجھ کو وارثوں میں نعمت کے باغ کے، اور معاف کر میرے باپ کو وہ ہے راہ بھولے ہوؤں میں، اور رسوا نہ کر مجھ کو جس دن سب جی کر اٹھیں، جس دن نہ کام آوے کوئی مال اور نہ بیٹے، مگر جو کوئی آیا اللہ کے پاس لے کر بے روگ دل۔

مگر آزر اور اس کی قوم کے دل کسی طرح بھی حق بات کو اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت کو قبول کرنے کے لئے نرم نہ ہوئے اور ان کا انکار اور حق بات سے اعراض بڑھتا ہی رہا۔ (جاری ہے............)

﴿بقیہ متعلقہ صفحہ ۳۶ ''عقلمندوں کا حج''﴾

پرہیزگاری ہو، ہر قسم کے گناہ سے اجتناب کیا گیا ہو، اور حج کو صحیح طریقہ پر اس کے احکام اور مناسک کو پوری طرح سیکھ کر کیا گیا ہو، رسمی حج نہ کیا گیا ہو، اور نمود و نمائش اور فخر و تفاخر سے پرہیز کیا گیا ہو۔

اور اگر ان چیزوں کی رعایت کے بغیر حج کیا گیا ہو تو اس کو عقل مندوں کا حج قرار دینا مشکل ہے، البتہ ایسے حج کو عقل بندوں کا حج کہا جا سکتا ہے، یعنی ایسے لوگوں کا حج کہ جن کی عقل بند ہے، عقل کا استعمال نہیں کیا گیا، عقل کو بند کر کے رکھ دیا گیا اور پھر حج کیا گیا۔

دعا فرمائیے کہ حج کا جو موقعہ آ رہا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ تمام مسلمانوں کو صحیح اور کامل اور مکمل طریقے پر حج ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائیں اور حجِ مقبول اور مبرور نصیب فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔

Idara Ghufran

طب و صحت حکیم محمد فیضان

طبی معلومات ومشوروں کا مستقل سلسلہ

ڈینگی بخار (Dengue Heamorrhagic Fever)

ڈینگی وائرس اور وائرل ہیمر جک فیور امریکہ افریقہ سمیت 100 سے زیادہ ممالک کو اپنی لپیٹ میں لے چکا ہے۔ یہ مرض زیادہ تر جنوب مشرقی ایشیاء کے غریب اور زیادہ آبادی والے ممالک میں پایا جاتا ہے۔]
یہ مرض زیادہ تر بچوں اور نوجوانوں کو ہوا کرتا ہے۔ اس مرض کو لال بخار بھی کہتے ہیں۔ یہ جریانِ خون کا بخار بھی کہلاتا ہے۔ اس مرض کی مزید چار اقسام Crimean Cango Fever کانگووائرس، ایبولا، لیزا اور لفٹ ویلی بیان کی جاتی ہیں۔

ڈینگی بخار کا وائرس مچھر کی ایک خاص قسم ''ایڈیز ااجیپٹی'' (Aedesa Agepti) مادہ مچھر کے کاٹنے سے پھیلتا ہے۔ یہ مچھر کھڑے پانی کے تالابوں، جوہڑوں، اور تاریک جگہوں پر انڈے دیتا ہے اور پرورش پاتا ہے۔ یہ رکے ہوئے پانی میں پلتا بڑھتا ہے، گندا پانی ہونا ضروری نہیں۔ اس مچھر کی رنگت کالی ہوتی ہے، اس پر سفید دھاریاں ہوتی ہیں۔ یہ مچھر زیادہ تر صبح کو اور شام کے وقت کاٹتا ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ مچھر'' ایڈیزا اجیپٹی''، لاطینی امریکہ سے مصر منتقل ہوئے اور پہلی بار ایشیائی ممالک میں 1950ء میں فلپائن اور تھائی لینڈ میں پائے گئے۔ ماہرین کی رائے ہے کہ مچھروں کی 3500 اقسام میں سے 70 فی صد ڈینگی وائرس پھیلانے کا باعث بنتی ہیں اور ایڈیزا اجیپٹی، اینوفلیز (Anophles) کیولیکس (Culex) مچھروں کی سب سے خطرناک اقسام بتائی جاتی ہیں۔ کیونکہ ڈینگو وائرس کی یہ وبا مادہ مچھر کے کاٹنے سے پھیلتی ہے۔ اس لئے مادہ مچھر کو انڈے دینے کے لئے پروٹین کی ضرورت ہوتی ہے، اس لئے وہ پروٹین کی ضروریات پوری کرنے کے لئے انڈے دینے کے مقام سے کم از کم 500 میٹر اور زیادہ سے زیادہ 35 کلو میٹر تک کے علاقے میں پالتو جانور گائے، بھینس، گھوڑا، گدھے وغیرہ کو کاٹتی ہے۔ جانور نہ ملے تو یہ مادہ مچھر انسانوں کو کاٹتی ہے۔ ڈینگی وائرس مئی سے اکتوبر کے مہینوں کے دوران زیادہ پھیلتا ہے۔

پاکستان میں ڈینگی فیور کی یہ بیماری تقریباً پچھلے 12 سال سے مختلف شہروں میں پائی جاتی ہے۔
جون 1994ء سے ستمبر 1995ء تک کراچی میں 145 کیس سامنے آئے اور ایک شخص اس مرض سے ہلاک

Idara Ghufran

ہوا۔2003ء میں خوشاب اور نوشہرہ میں 2500 افراد اس مرض میں مبتلا ہوئے، جب کہ 11 ہلاکتیں واقع ہوئیں۔2003ء ہی میں ہری پور میں 1000 لوگ اس مرض کا شکار ہوئے، اور 7 اموات واقع ہوئیں۔

W H O کی حالیہ رپورٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا بھر میں ہر سال 50 ملین افراد اس وائرس سے متاثر ہوتے ہیں اور اسی سال برازیل میں 3 لاکھ 90 ہزار افراد اس وائرس کا شکار بنے۔ایک اندازے کے مطابق سالانہ 5 لاکھ افراد اس وبائی مرض کی وجہ سے ہسپتالوں میں داخل کئے جاتے ہیں۔جن میں بڑی تعداد بچوں کی ہوتی ہے۔2.5 فی صد افراد اس کی وجہ سے ہلاک ہو جاتے ہیں۔اور عدم توجہ کی صورت میں موت کی شرح 20 فی صد تک بڑھ جاتی ہے۔

بھارت میں اس سال اب تک مجموعی طور پر تقریباً 9000 کیسز سامنے آچکے ہیں اور 160 ہلاکتوں کی تصدیق ہوگئی ہے۔صرف دو ہزار سے بھی زائد کیس دہلی اور اس کے قرب وجوار کے علاقوں سے سامنے آئے ہیں۔اور 1665 کیس ایک خاص قسم کے مچھروں کے کاٹے کی دوسری بیماری Chinkungunya کے بھی سامنے آئے ہیں۔

سری لنکا میں 2004ء میں 15.365 افراد اس مرض میں مبتلا ہوئے، مگر صرف ایک سال کے عرصے میں حکومت نے تشہیری مہم سے عوام میں شعور بیدار کر کے مچھروں کو ختم کرنے کا پروگرام بنایا اور 2005ء میں وہاں پر اس مرض کے صرف 3000 کیس سامنے آئے ہیں۔

اس وقت بھی پاکستان میں ڈینگی بخار خاصی تیزی سے پھیل رہا ہے۔تقریباً 150 افراد اس مرض کے باعث ہلاک ہو چکے ہیں۔روک تھام جلد نہ ہونے کی صورت میں اموات مزید بڑھ سکتی ہیں۔یہ مرض کراچی میں زیادہ ہے، جب کہ ملک کے دوسرے علاقوں میں بھی پہنچ چکا ہے، مگر حالات زیادہ تشویشناک نہیں ہیں۔اب تک موصولہ اطلاعات کے مطابق اسلام آباد اور راولپنڈی میں بھی اس مرض میں سینکڑوں سے زیادہ افراد مبتلا ہیں۔ملک بھر میں ڈینگو وائرس کے تقریباً ساڑھے چار ہزار سے بھی زیادہ کیسز سامنے آچکے ہیں، اب تک کئی سو افراد کی ڈینگو بخار میں مبتلا ہونے کی تصدیق بھی ہو چکی ہے۔

تشخیص مرض

خون کا لیبارٹری ٹیسٹ کرانے سے اس مرض کے وائرس کا پتہ چل جاتا ہے۔کئی جگہ پر اس ٹیسٹ کی سہولت حکومت نے فراہم کر دی ہے۔

Idara Ghufran

علامات

یکا یک شدید تیز بخار چڑھ جاتا ہے، جو کہ 105F تک ہوتا ہے سر میں درد ہوتا ہے، بدن ٹوٹنے لگتا ہے، الٹیاں آتی ہیں، جلد پر سرخ چھوٹے چھوٹے دانے نکل آتے ہیں، یا سرخ دھبے پڑ جاتے ہیں، بخار دو سے سات دن تک رہتا ہے۔ غنودگی سی رہتی ہے، شدتِ مرض میں خون کی الٹیاں بھی ہوسکتی ہیں۔

علاج

دواؤں کی مدد سے طب جدید میں اس مرض کا کوئی مخصوص علاج نہیں ہے۔ صحیح وقت پر مرض کی تشخیص ہوجائے تو علاج ممکن ہے۔ شدت مرض کی صورت میں خون تبدیل کر کے بھی مریض کی جان بچائی جاسکتی ہے۔ ابھی تک اس مرض سے بچاؤ کے لئے ویکسین (حفاظتی ٹیکہ) موجود نہیں ہے۔ اس لئے شدید بخار اور دوسری علامات کی موجودگی کی صورت میں مریض کو ہسپتال داخل کر دینا بہتر ہے۔

طب یونانی میں ایسی ادویہ استعمال کرانی چاہئیں جو جسم میں قوت مدافعت پیدا کریں۔ (1) کلونجی، تخم کاسنی کو ہموزن ملا کر سفوف بنالیں، ضرورت کے وقت 3 گرام صبح وشام استعمال کریں (2) جو کا دلیہ پکا کر اس میں شکر کی جگہ شہد ملا کر دن میں تین چار مرتبہ کھلایا جائے۔ یہ دوا بھی ہے، اور آپ ﷺ کی سنت ہے (3) دلیہ اگر پسند نہ ہو تو ڈیڑھ چھٹانک جو ایک سیر پانی میں دس منٹ اُبال کر اس میں پانچ بڑے چمچے شہد شامل کر کے دن میں کئی مرتبہ استعمال کرانے سے انشا اللہ فائدہ ہوگا۔ بخار کو کم کرنے کی تدبیر کرنی چاہئے

ڈینگو وائرس سے بچاؤ اور پھیلاؤ کی روک تھام کے لئے حکومت کو عوام میں میڈیا، اخبارات ورسائل کے ذریعہ تشہیری مہم چلائے جانے کی ضرورت ہے۔ تاکہ ان مچھروں کی افزائش کا سلسلہ ختم کیا جاسکے۔

بچاؤ کی تدابیر

ذاتی صفائی کا بہت خیال رکھیں۔ اگر ممکن ہو تو اپنے گھروں کے دروازے اور کھڑکیوں پر جالیاں لگوائیں۔ مچھر دانی کا استعمال کریں۔ چھتوں کی نالیاں بند نہ ہونے دیں۔ پانی کہیں بھی جمع نہ ہونے دیا جائے۔ نل اچھی طرح بند کرنے کی عادت بنانی چاہئے، پانی کی بالٹیاں وغیرہ کھلی نہ رکھی جائیں، بلکہ استعمال کے بعد الٹا کر کے رکھ دیں۔ جہاں تک ممکن ہو کھڑے پانی کے جوہڑوں اور گڑھوں کو بھر دیں۔ گندگی کے ڈھیروں کو صاف کریں۔ پانی کے تمام برتن ڈھکے رہیں تاکہ ان میں مچھروں کی افزائش نہ ہو۔ تمام ٹوٹی

ہوئی اور بے کار بوتلیں، ٹین ڈبے، پرانے ٹائر پلاسٹک کے برتن، بیگ، وغیرہ غیر ضروری چیزیں جمع نہ کریں۔ بہتر ہے کہ ان کو بیچ دیں۔

گملوں اور کیاریوں کی صفائی کا خیال رکھیں ہفتہ میں ایک مرتبہ ان کو اچھی طرح صاف کر دیں، تاکہ مچھروں کے انڈے ختم ہوں۔ مچھر مار دوائیں گھر کے سرد اور تاریک کونے کھدروں میں چھڑکیں، چوکیوں چارپائیوں، دروازوں، الماریوں کے پیچھے، اور غسل خانوں میں بھی مچھر مار اسپرے کریں۔ مچھروں کی نشوونما کی سبھی جگہوں پر مچھر مار دوا کا اسپرے کریں۔ گلیوں اور نالیوں میں گندگی جمع نہ ہونے دیں، اپنی گلیوں کو صاف رکھیں۔ گھر میں کوڑا جمع کرنے کے لئے کوڑے دان (ڈسٹ بن) کا استعمال کریں۔ گھروں کی گندگی کو گلیوں میں نہ ڈالیں۔ ان احتیاطی تدابیر سے انشاءاللہ اس بیماری کے علاوہ اور بھی کئی مہلک بیماریوں سے حفاظت ہوگی۔ واللہ اعلم بالصواب

(بقیہ متعلقہ صفحہ ۷۰ ”تصوف کے مشہور سلسلوں کا تاریخی پس منظر“)

(بعد میں سلسلہ نقشبندیہ بھی اس دھارے میں شامل ہوگیا) گویا کہ جس طرح فقہ اور اصولِ فقہ ایک فن اور ادارہ کی شکل میں سامنے آنے لگا تو ایک ہی زمانہ ایک ہی صدی میں اس کے ماہرین کا تانتا بندھ گیا اور ایک صدی میں یہ فقہی مذاہب مدون ہوگئے، اس کے بعد کی دوصدیاں علمِ حدیث کے منظّم و منقح اور مرتب و مدون ہونے کی ہیں اور اس کے بعد کی دوصدیاں تصوف کے ادارے کا ایک نئے انداز میں منظّم، مرتب و منقح ہونے کی ہیں، ان سلسلوں کے وجود میں آنے سے تصوف کا ادارہ ایک نئے رنگ اور بہت ممتاز شکل میں سامنے آتا ہے۔

(اس مضمون کی پہلی قسط میں ہم نے آیت کل یوم ھو فی شان کے تناظر میں اپنے جس ذوق کی طرف اشارہ کیا تھا اس سے یہی مراد تھا کہ اللہ تعالیٰ کسی خاص زمانے میں کسی مادی یا روحانی نقشے کو ظاہر فرماتے ہیں تو اسی ایک زمانے میں اس کے سارے اسباب فراہم ہوجاتے ہیں اور وہ امر وجود پاکر اسی عرصے میں کمال تک پہنچ جاتا ہے)

پانچویں صدی اور اس کے بعد تصوف کے ان معروف و متداول چار سلسلوں کے علاوہ اور بھی بہت سے سلسلے وجود میں آئے اور ایک زمانہ تک پھلے پھولے اور پھر گمنام ہوگئے، شہرت و دوام اور وسعت و اتمام تو تصوف کے ان سلاسل اربعہ ہی کے حصہ میں آئیں۔ (جاری ہے............)

اخبار ادارہ مولانا محمد امجد حسین

ادارہ کے شب وروز

□......جمعہ ۱۹/ ۲۶ رمضان و ۳/ ۱۰/ ۱۷/ ۲۴/ شوال کو تینوں مسجدوں میں حسبِ معمول وعظ ومسائل کی نشستیں منعقد ہوتی رہیں، جمعہ ۱۰/ شوال کو بندہ محمد امجد کی مصروفیت کی وجہ سے مسجد نسیم میں مولانا طارق محمود صاحب نے جمعہ کے فرائض سرانجام دیئے۔

□......جمعرات ۱۸/ رمضان انیسویں شب میں مولانا طارق محمود صاحب کا تراویح میں قرآن مجید مکمل ہوا۔

□......ہفتہ ۲۰/ رمضان اکیسویں شب میں قاری فضل الحکیم صاحب اور بندہ محمد امجد کا الگ الگ تراویح میں قرآن مجید مکمل ہوا، متعلم عبدالوھاب وطلحہ (شعبہ کتب ادارہ ھذا) نے بھی تراویح میں قرآن مجید مکمل کیا (صرافہ بازار گھر میں) اس تقریب میں بندہ محمد امجد کا بیان ہوا، نیز طالبعلم صلاح الدین کا بھی اسی رات تراویح میں ختمِ قرآن ہوا۔

□......اتوار ۷/ ۱۴/ رمضان کو حضرت اقدس مدیر صاحب دامت برکاتہم کا محلّہ کرتار پورہ میں جناب مظہر قریشی صاحب مرحوم کے گھر رمضان کا ہفتہ وار بیان برائے خواتین ہوتا رہا۔

□......سوموار ۲۲/ رمضان مسجد امیر معاویہ میں معتکفین کے لئے روزانہ بعد ظہر ایک گھنٹہ کی مسائل کی نشست شروع کی گئی، حضرت مدیر صاحب دامت برکاتہم کی طرف سے بندہ محمد امجد کے متعلق اس نشست کی تعلیم مقرر ہوئی۔

□......سوموار ۲۲/ رمضان مفتی محمد یونس صاحب زیدہ مجدہم کے ہاں مسجد بلال (صادق آباد) میں تراویح میں قرآن مجید کی تکمیل ہوئی، اس موقعہ پر بندہ محمد امجد کا مفتی محمد یونس صاحب کے حسبِ حکم بیان ہوا، اسی شام مفتی محمد یونس صاحب نے افطار کی مختصر سی تقریب کا بھی اہتمام کیا۔

□......سوموار ۲۲/ رمضان کو جناب ڈاکٹر حافظ عمار صاحب کا تراویح میں قرآن مجید مکمل ہوا، آپ بھی ادارہ کے ایک حصہ میں قرآن مجید سنا رہے تھے۔

□......منگل ۲۳/ رمضان حضرت مدیر صاحب دامت برکاتہم کا (مسجد امیر معاویہ کوہاٹی بازار میں) تراویح میں قرآن مجید مکمل ہوا، اس موقعہ پر حضرت کا بیان بھی ہوا، بعد میں حضرت کے حسبِ حکم بندہ محمد امجد نے بھی مختصر بیان کیا۔

□...... بدھ ۲۴/ رمضان حافظ فرحان صاحب (برخوردار جناب حکیم محمد فیضان صاحب) کا چکلالہ سکیم تھری میں قرآن مجید مکمل ہوا، بندہ محمد امجد بھی اس موقعہ پر مدعو تھا مختصر بیان بھی ہوا۔

□......جمعرات ۲۵/ رمضان قاری فضل الحکیم صاحب کی والدہ صاحبہ کا سنٹرل ہسپتال میں آپریشن ہوا۔

□......جمعرات ۲۵/ رمضان تراویح میں مولوی محمد ناصر صاحب کا قرآن مجید مکمل ہوا، اس موقعہ پر حضرت مدیر صاحب دامت برکاتہم کی نیابت میں بندہ محمد امجد نے بیان کیا، اسی شام مولوی ناصر صاحب کے اہلِ خانہ نے افطاری اور کھانے کا بھی اہتمام کیا، حضرت مدیر صاحب دامت برکاتہم، بندہ محمد امجد اور جناب ناصر صراف صاحب اس دعوت میں مدعو تھے۔

□......جمعرات ۲۵/ رمضان ادارہ غفران میں بعد ظہر مورخہ ۲۷/ رمضان تا ۶/ شوال عید کی دس تعطیلات کا اعلان ہوا، تعلیمی شعبے میں ان تعطیلات کے ساتھ ہی تعلیمی سال اختتام پذیر ہوا، مورخہ ۷/ شوال سے سب تعلیمی درجوں میں نئے داخلے اور پرانے داخلوں کی تجدید کا اعلان ہوا، عید الفطر کی ان تعطیلات میں مولانا عبد السلام صاحب نے مستقلاً اور جناب فیضان صاحب، مفتی محمد یونس صاحب، بندہ محمد امجد اور متعلم محمد طاہر نے باری باری فرائض سرانجام دیئے، اس طرح دورانِ تعطیلات بھی دار الافتاء اور کتب خانے کا شعبہ فعال رہا۔

□...... جمعہ ۲۶/ رمضان کو عملہ کے بیشتر افراد چھٹیوں پر چلے گئے۔

□......جمعرات ۲/ شوال حضرت مدیر صاحب دامت برکاتہم بمع اہلِ خانہ اسلام آباد جناب کھوکھر صاحب (حضرت مدیر صاحب کے خسر) کے ہاں تشریف لے گئے۔

□...... ہفتہ ۴/ شوال کو بندہ محمد امجد دو دن کی رخصت پر مانسہرہ گیا۔

□......سوموار ۶/ شوال تک کارکنانِ ادارہ چھٹیاں گذار کر واپس پہنچ گئے۔

□......منگل ۷/ شوال سے ۹/ شوال پرانے داخلوں کی تجدید ہوئی۔

□...... ہفتہ ۱۱/ شوال تا ۱۳/ شوال حسبِ گنجائش نئے داخلے ہوئے، ۱۳/ شوال کی شام کو افتتاحی تعلیمی تقریب برائے طلبہ اور والدینِ طلبہ منعقد ہوئی، جس میں ادارہ کے تعلیمی وانتظامی ضابطوں اور طلبہ وسرپرستوں کی ذمہ داریوں سے ان کو آگاہ کیا گیا اس تقریب میں مفتی محمد یونس صاحب و بندہ محمد امجد کے بیانات ہوئے، عشاء تک یہ تقریب مکمل ہوئی، باضابطہ اسباق کا آغاز ہفتہ ۱۸/ شوال سے ہوا، شعبہ کتب کے اسباق میں باقاعدگی ۲۰/ شوال سے آئی

□......جمعرات ۱۶/ شوال کی شام حضرت مدیر صاحب دامت برکاتہم کے بھتیجے کے عقیقے کی دعوت ادارہ میں ہوئی

□...... ہفتہ ۱۸/ شوال کی شام بندہ محمد امجد کے بچے کے عقیقہ کی دعوت بھی ادارہ میں ہوئی، اس تقریب میں حضرت مولانا قاری سعید الرحمٰن صاحب (مہتمم جامعہ اسلامیہ صدر، راولپنڈی) اور قاری محمد یعقوب صاحب وقاری حبیب الرحمٰن صاحب (اساتذہ جامعہ اسلامیہ صدر، راولپنڈی) اور لطیف الامت حضرت مولانا عبد اللطیف صاحب (والد ماجد بندہ محمد امجد) بھی شریک ہوئے۔

اخبارِ عالم

ابرار حسین ستی

دنیا میں وجود پذیر ہونے والے اہم ومفید حالات وواقعات، حادثات وتغیرات

✍ **8/اکتوبر2006ء14رمضان1427ھ**: پاکستان: رن پٹھانی پل کی تحقیقات مکمل، 4ریلوے افسر معطل، 10 کو شوکاز نوٹس(Show Cause Notice) جاری، 2004ء میں ٹیکنیکل ٹیم (Technical Team) نے پل کے پشتوں کے کمزور ہونے کا نوٹ تحریر کیا تھا جس پر ریلوے افسروں نے کوئی توجہ نہیں دی، ✍ **9/اکتوبر**: پاکستان: اسلام آباد میں تخریب کاری خدشہ رینجرز کے دستے تعینات راستوں کی ناکہ بندی ✍ **10/اکتوبر**: کوریا: شمالی کوریا نے کامیاب ایٹمی تجربہ کرلیا عالمی برادری کا شدید ردعمل ✍ **11/اکتوبر**: عراق، افغانستان: مجاہدین کے حملوں، دھماکوں میں 2امریکیوں سمیت 110 ہلاک ✍ **12/اکتوبر**: امریکہ: نیویارک جہاز پچاس منزلہ عمارت سے ٹکرا گیا، 4افراد ہلاک، عمارت میں آگ لگ گئی، امریکہ میں ہائی الرٹ (High Alert) ✍ **13/اکتوبر**: امریکہ: گوانتاناموبے، سے 16افغان قیدیوں کو رہا کردیا گیا، امریکیوں نے سخت ذہنی اور جسمانی تشدد کیا، کابل پہنچنے پر تاثرات ✍ **14/اکتوبر**: برطانیہ: حالات بدتر ہو رہے ہیں، عراق سے فوج جلد واپس بلانا ہی بہتر ہے، برطانوی آرمی چیف ✍ **15/اکتوبر**: نیویارک: سلامتی کونسل میں شمالی کوریا پر پابندی کی قرارداد متفقہ طور پر منظور ✍ **16/اکتوبر**: عراق: حملوں میں 9امریکی فوجیوں سمیت 93ہلاک 83زخمی ✍ **17/اکتوبر**: پاکستان: ایم کیو ایم (MQM) نے پنجاب کے 34میں سے 32اضلاع میں تنظیم سازی مکمل کرلی ✍ **18/اکتوبر**: پاکستان: وزیراعظم سیکٹریٹ (Primeminister Secretariate) میں وسیع پیمانے پر تقرروتبادلے، پرنسپل سیکرٹری(Principal secretary) جاوید صادق نے قبل از وقت ریٹائرمنٹ(Retirement) لے لی خالد سعید کی تعیناتی ضیاء الرحمٰن پلاننگ میں تعینات پلاننگ ڈویژن(Planning division) کے سیکرٹری اکرم ملک کی بطور اقتصادی امور تعیناتی، فضل الرحمٰن کو بھی ہٹادیا گیا ✍ **19/اکتوبر**: پاکستان: ہائیکورٹ (High court) نے حکومت، پنجاب کے تمام مشیروں کی تقرری منسوخ کردی مراعات واپس لینے کا حکم، ✍ **20/اکتوبر**: امریکہ: عراق میں ویتنام جیسی صورتحال کا سامنا ہے، امریکی صدر بش کا اعتراف ✍ **21/اکتوبر**: پاکستان: پشاور میں بم دھماکہ 7جاں بحق 40زخمی ✍ **22/اکتوبر**: افغانستان: چند ماہ میں کرزئی اور اتحادیوں کو اسلامی عدالت کے کٹہرے میں لائیں گے، ملا محمد عمر مجاہد ✍ **23/اکتوبر**: افغانستان: خوست میں بھی معاہدہ طے، امریکی فوج ضلع علی شیر سے نکل گئی، انخلاء ہماری کامیابی ہے، طالبان ✍ **24/اکتوبر**: پاکستان: پنجاب، عید کے موقع پر 899قیدیوں کو رہائی مل گئی لاہور کی 2جیلوں سے 530قیدی رہا کئے گئے، سزاؤں میں تخفیف صدر کے حکم پر ہوئی ✍ **25/اکتوبر کم**

شوال 1427ھ بروز عید الفطر: پاکستان: پاکستان اور امریکہ کے مابین F-16 طیاروں کی ادائیگی کا طریقہ کار طے پا گیا معاہدے میں عملدرآمد میں تاخیر کی صورت میں پاکستان 140 ملین ڈالر یومیہ (140Million Dollar per day) کی شرح سے اضافی رقم ادا کرے گا ✍ **26,27 / اکتوبر**: پاکستان: (**تعطیلات اخبار**) ✍ **28 / اکتوبر**: پاکستان: پاکستان کی 58 سالہ تاریخ کے اہم گواہ سابق صدر غلام اسحاق خان انتقال کر گئے ✍ **29 / اکتوبر**: پاکستان: ڈی سی او (DCO) راولپنڈی سمیت پنجاب میں 17 افسران (Officers) تبدیل کر دیئے گئے، دو سیکرٹریز (Secretaries) ایس پی (S.P) عہدے کے دو افسران، چار اضلاع کے ڈسٹرکٹ کوآرڈی نیشن آفیسرز (Distirct co ordination officers) کو تبدیل کرنے کا نوٹیفکیشن (Notification) جاری کر دیا گیا ✍ **30 / اکتوبر**: افغانستان: اروزگان میں طالبان کا نیٹو فوجی اڈے پر حملہ 20 اتحادی ہلاک 4 ٹینک تباہ ✍ **31 / اکتوبر**: پاکستان: باجوڑ ایجنسی مدرسے پر بمباری، 80 شہید آپریشن شرپسندوں کے خلاف کیا گیا میجر جنرل شوکت سلطان ✍ **یکم نومبر**: پاکستان: ابوظبی کی کمپنی کوحب میں آئل ریفائنری (Oil Refinery) قائم کرنے کی اجازت، 5 ارب ڈالر تک لاگت آئے گی ✍ **2 / نومبر**: افغانستان: حملے تیز ہیں طالبان کو شکست نہیں دے سکتے، نیٹو کمانڈر (NATO Commander) کا اعتراف ✍ **3 / نومبر**: پاکستان: کوئٹہ میں خودکش بم دھماکہ، حملہ آور سمیت 3 جاں بحق 5 زخمی، مٹھی بھر دہشتگردوں کے عزائم ناکام بنا دیں گے، صدر وزیر اعظم ✍ **4 / نومبر**: واشنگٹن: عراق جنگ نے امریکہ کی سلامتی کو شدید خطرات سے دوچار کر دیا سابق امریکی جنرل، امریکی فوج عراقیوں کو ہلاک تو کر سکتی ہے تنہا جنگ نہیں جیت سکتی، جنرل ریکارڈو (Recordo) کی ریٹائرمنٹ (Retirement) کے موقع پر صحافیوں سے بات چیت ✍ **5 / نومبر**: جرمنی: اسلام کو پھیلنے سے روکنے میں ناکامی پر پادری نے خودکشی کر لی، 73 سالہ رونلڈ (Ronald) نے چرچ (Church) سے متصل عمارت کی چھت پر چڑھ کر خود کو آگ لگا دی ✍ **6 / نومبر**: عراق: دجیل قتل عام کیس کا فیصلہ صدام حسین کو پھانسی دینے کا حکم، عوام متحد رہیں سابق عراقی صدر ✍ **7 / نومبر**: پاکستان: انتہاء پسند علماء سے اسلام کو آزاد کرانا بڑا چیلنج (Challenge) ہے، صدر پرویز مشرف ✍ **8 / نومبر**: بھارت: بگلیہار ڈیم کی اونچائی عالمی بینک (World Bank) نے پاکستان کا اعتراض تسلیم کر لیا، بھارت نے غیر جانبدار ماہر کے حوالے سے ممکنہ فیصلہ تسلیم کر لیا تو اسے پورے ڈیم کا ڈیزائن (Design) تبدیل کرنا پڑے گا، بھارتی اخبار، ✍ **9 / نومبر**: پاکستان: درگئی فوجی تربیتی مرکز پر خودکش حملہ 42 جاں بحق ✪ امریکی انتخابات میں بش کی پارٹی کو عبرتناک شکست، عراق جنگ کے مرکزی کردار وزیر دفاع رمسفیلڈ مستعفی ✍ **10 / نومبر**: افغانستان: افغان پالیسی تبدیل نہیں ہوگی ﴿**بقیہ صفحہ ۷۹ پر ملاحظہ فرمائیں**﴾

By Mufti Muhammad Rizwan - Translated by Abrar Hussain Satti

Seeking Religious Knowledge Is Obligatory

(…Continued previously)

We must also know that seeking knowledge or getting engaged in seeking knowledge is also an act (amal) & a good deed or virtue (ibadat or naiki) just like other deeds like salat, som (roza), zakat.. etc. So excluding it from the list of acts is wrong.

Seeking knowledge has several other benefits as follows.

1) There are several matters which are not related to actions (amaal) rather they are linked with faith (eeman) and concepts (aqaid). So ignorance may deprive a person from his true faith and may also damage his concepts.

2) If a person has got the knowledge, he may act upon it any time in his life and whenever he wants but if he is ignorant or he does not seek knowledge, he can't act for a good deed, even if he wants to do.

3) Seeking of knowledge helps a person to act timely which means seeking of knowledge has a priority over action.

4) Knowledge enables a person to identify sins or bad deeds (gunnah) and then refrain from such sins and repent (tobah) accordingly but ignorance prevents him to identify sins or repent, thus if he dies with lot of sins, it can be a big loss for him. Knowledge (ilm) is like light which helps a person to see in dark and it makes his journey easier and safe.

5) Knowledge protects a person from the misguidance of the devil (shaitaan) and helps him accumulate so many good deeds (naikian), whereas, ignorance exposes a person to devil's attacks & prevents him to act on good deeds.

There was a mistake in our previous installment. Please correct it .In the second sentense it was (Whereas, in reality, acting upon the knowledge of good deeds (amal or naiki) is not obligatory (farz) but seeking of knowledge is obligatory for every Muslim.) While in fact this sentence after correcting is …(Whear as in reality, acting upon the knowledge of good deeds (amal or naiki) is not obligatory (farz) because of its knowledge but acting upon is itself necessary)…..(please consider it correctly)
abrarhussain_satti@yahoo.com